إنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے
- کامل مسلمان کون
- اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں
- اچھا یا بُرا طریقہ جاری کرنے کے اثرات و نتائج
- ظلم کی مختلف صورتیں
- ماہ ذی الحجّہ کے فضائل
- عہدے کا ہدیہ
- دیو بندیت کیا ہے؟
- دینی تعلیم اور عصبیت
- اِس خلا کو پُر کریں
- صحیح مسلم کی نادر المثال شرح

جلد ہفتم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۳۸۳

اصلاحی تقریریں
جلد ہفتم

اِصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ہفتم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب: اصلاحی تقریریں

جلد: ہفتم

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

باہتمام: محمد ناظم اشرف

ناشر: بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

ملنے کے پتے

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو قلم بند کروا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے چھ درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد ہفتم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے اور ان کے رفقائے کار نے ٹیپ

ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور جلد سوم کے بعد کی جلدوں میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور استاذ مولوی اعجاز احمد صمدانی سلمہ نے ضبط و ترتیب کا یہ کام اس مفید اضافے کے ساتھ کہ تقریروں میں بیان ہونے والی آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کے مفصل حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کر دے۔

و اللہ المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت و طریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پر مغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول' دوم، سوم، چہارم، پنجم اور ششم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ہفتم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں

کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔اس کتاب کی ضبط و ترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔اس میں حتی الوسع ضبط و ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات و احادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرم مطلع فرمائیں۔اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

اجمالی فہرست

فہرست

اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے

﴿ کامل مسلمان کون؟ ﴾

اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں

اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات ونتائج

ظلم کی مختلف صورتیں

﴿ماہِ ذی الحجہ کے فضائل﴾

عہدے کا ہدیہ

دیوبندیت کیا ہے؟

دینی تعلیم اور عصبیت

اِس خلا کو پُر کریں

صحیح مسلم کی نادر المثال شرح

اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے

موضوع:	اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے
خطاب:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام:	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ:	بموقع ختم بخاری شریف ۱۴۲۴ھ
ترتیب وعنوانات:	اعجاز احمد صمدانی
باہتمام:	محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلِہٖ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً○

امابعد!

باب قول اللّٰہ تعالٰی: ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ وأن اعمال بنی آدم وقولھم یوزن وقال مجاھد: القسطاس: العدل بالرومیۃ ویقال القسط مصدر المقسط وھو العادل اما القاسط فھو الجائر.

حدثنا احمد بن إشكاب حدثنا محمد بن فضيل بن
عمارة بن القعقاع عن ابی زرعة عن أبی هريره
رضی الله تعالىٰ عنه قال:قال النبی صلی الله عليه
وسلم : كلمتان حبيبتان إلى الرحمن ، خفيفتان
على اللسان، ثقيلتان فی الميزان:"سبحان الله
وبحمده سبحان الله العظيم.[1]"

تمہید:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز اور عزیز طلبہ کرام!

جیسا کہ معلوم ہے کہ کتاب صحیح بخاری کے سب سے آخری باب کی عبارت ابھی پڑھی گئی۔ اور اسی باب کے تحت آنے والی حدیث اس کتاب کی سب سے آخری حدیث ہے۔ اسی پر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب مکمل فرمائی ہے۔

جہاں تک اس ترجمۃ الباب اور حدیث کے الفاظ کی لغوی، نحوی اور صرفی تحقیق کا معاملہ ہے۔ اس کی ضرورت منتہی طلبہ کو عموماً نہیں ہوتی اور اگر کچھ ہوتی ہے تو اساتذہ بیان فرمادیتے ہیں۔ یہ حدیث دوبار پہلے بھی آچکی ہے۔ آپ اس کی لغوی وصرفی تحقیق پیچھے پڑھ چکے ہوں گے۔ اس لئے میں اس باب کے الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق میں زیادہ کلام کرنے کے بجائے بعض دوسری چیدہ چیدہ باتوں کے بارے میں عرض کروں گا البتہ کہیں کہیں لغوی وصرفی تحقیق کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی ضمناً آجائے گی۔

ترجمۃ الباب کا مفہوم:

آپ حضرات کو یہ بات معلوم ہے کہ امام بخاری کا طریقہ اپنی کتاب میں یہ

---

[1] حدیث کی عبارت اور سند طالب علم نے پڑھی۔ م

ہے کہ ان کے باب کا عنوان (جسے علم حدیث کی اصطلاح میں ''ترجمۃ الباب'' کہا جاتا ہے) شریعت کا ایک مسئلہ ہوتا ہے اور اس ترجمۃ الکتاب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ جو حدیث یا حدیثیں لاتے ہیں، وہ اس مسئلہ شرعیہ کی دلیل شرعی ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہاں امام بخاری نے اس باب کا جو عنوان قائم کیا ہے، وہ آیت قرآنی کا ایک حصہ ہے۔ جسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿بَابُ قَولِ اللّٰہِ وَنَضَعُ المَوازِینَ القِسطَ لِیَومِ القِیمۃِ﴾

یہ باب ہے اللہ کے ارشاد "ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ'' کے بارے میں۔

آیت کے اس حصے کا ترجمہ یہ ہے: اور قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے۔ (الانبیاء:۴۷)

''موازین'' میزان کی جمع ہے۔ اردو، عربی اور فارسی میں یہ لفظ ترازو کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ہر وہ آلہ جس کے ذریعے سے کسی چیز کا وزن کیا جائے گا وہ میزان ہے۔

''اَلقسط''موازین کی صفت ہے کہ وزن کرنے والی چیزیں (یعنی ترازو یا آلات) انصاف کرنے والی ہوں گی۔

اصل میں تو ''قسط'' مصدر ہے۔ جس کے معنی ہیں ''انصاف کرنا''۔ لیکن یہاں پر مصدر'' مقسط'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی انصاف کرنے والا۔ جیسے ''زیدٌ عَدلٌ'' کہا جاتا ہے جو کہ زیدٌ عادِلٌ کے معنی میں ہوتا ہے۔

تو مطلب یہ ہو گیا کہ ہم ایسی میزانیں قائم کریں گے کہ جو پورا پورا انصاف کرنے والی ہوں گی۔ ان میں ذرہ برابر بلکہ بال برابر بھی فرق نہیں ہوگا۔ بالکل صحیح صحیح

وزن کریں گی، ان میں کمی بیشی کا دور دور تک کوئی گذر نہیں ہوگا۔

''لیوم القیمة ''أی فی یوم القیمة۔ قیامت کے دن یہاں پر لام فی کے معنی میں ہے۔ یعنی میزانیں قیامت کے روز قائم کی جائیں گی۔

اِن میزانوں میں کس چیز کا وزن ہوگا؟ اُس کا ذکر اس بات میں نہیں۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آگے فرمایا کہ:

﴿وأن اعمال بنی آدم وقولهم یوزن﴾

''انسان کے تمام اعمال اوران کے اقوال کا وزن کیا جائے گا۔''

اس سے پتہ چلا کہ ان میزانوں کے اندر انسان کے اعمال اور اقوال کا وزن کیا جائے گا۔

یہاں پر ''وقولهم'' کا لفظ ہے۔ بعض دوسرے نسخوں اور روایتوں میں ''أقوالهم'' ہے جوکہ جمع کا صیغہ ہے اور یہی زیادہ راجح اور اعمال کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اعمال بھی جمع ہے اور اقوال بھی جمع ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ انسان کے تمام اچھے برے اعمال اور اچھے برے اقوال کا وزن ان میزانوں میں کیا جائے گا جو قیامت کے روز میدان حساب میں قائم کی جائیں گی۔

قیامت کے دن کی ہولناکی:

قیامت کا دن وہی دن ہے جس کو قرآن کریم روز یاد دلاتا ہے۔ اور اللہ رب العالمین نے اسے روز یاد دلانے کے لئے سورۃ فاتحہ میں ''یوم الدین'' کے نام سے ذکر کیا اور تمام مسلمانوں پر قیامت تک کیلئے لازم کردیا کہ وہ جو نماز بھی پڑھیں، فرض ہو یا واجب ہو، سنت ہو یا نفل، دن کی ہو یا رات کی، سری ہو یا جہری، اکیلے ہو یا جماعت سے، سفر میں ہو یا حضر میں، ہر حالت میں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھا کریں۔

اور سورۃ فاتحہ کے اندر یہ آیت ہے۔

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (الفاتحہ)

''(اللہ تعالیٰ) مالک ہے روز جزا کا۔''

جزا ملنے کا یہ دن بڑا خوفناک دن ہے۔ اس پوری کائنات کی تخلیق کا انجام اس دن ظاہر ہونے والا ہے۔ ہم سب یہاں امتحان گاہ میں بیٹھے ہیں۔ نتیجہ اس دن نکلنے والا ہے۔ ہم سب کو جو لمحات گذر رہے ہیں چاہے وہ گھر میں گذریں یا مسجد میں، مدرسے میں گذریں یا بازاروں میں، عبادت میں گذریں یا کھیل وتفریح میں، اچھے کاموں میں گذریں یا برے کاموں میں۔ یہ تمام لمحات درحقیقت امتحان کے لمحات ہیں اور یہ پوری دنیا امتحان گاہ ہے اور ہر انسان بالغ ہونے کے وقت سے لے کر موت کے آنے تک اس امتحان گاہ میں ہے۔ یہ ایسی امتحان گاہ نہیں ہے کہ جس میں قلم سے لکھ کر امتحان دیا جائے بلکہ یہاں ہر حرکت اور سکون، ہر قول اور فعل امتحان کا حصہ ہے اور امتحان کا ہر ہر حصہ ریکارڈ ہو رہا ہے اور اس کے نمبر لگ رہے ہیں۔ کوئی چیز ضائع ہونے والی نہیں ہے، کراماً کاتبین اس کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔

پہلے یہ باتیں سمجھ میں آنا مشکل ہوتی تھیں لیکن جدید دور کی ایجادات نے ان کو سمجھنا آسان کر دیا کہ اقوال کو کیسے محفوظ کیا جا سکتا ہے اور اعمال کو کیسے دوبارہ دکھایا جا سکتا ہے۔

عمر بھر نہ ہنسنے کی قسم:

حضرت ربعی بن خراش جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد رشید ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، جب انہوں نے یہ حدیث پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوق جنت کے لئے پیدا فرمائی ہے اور کچھ مخلوق کو جہنم کیلئے پیدا کیا تو ان کے اوپر ایسا خوف

سوار ہوا کہ انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں جنت والوں میں شامل ہوں، اس وقت تک میں ہنسوں گا نہیں۔ عمر بھر اس خوف کی وجہ سے ہنسے نہیں کہ پتہ نہیں میرا شمار کون سی جماعت میں ہے۔ جب انتقال ہوا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ہم سب نے دیکھا کہ وہ ہنس رہے تھے۔

انہی کے بھائی ربیع نے بھی ایسی قسم کھالی تھی اور وہ بھی عمر بھر اس خوف سے نہیں ہنسے کہ پتہ نہیں میرا نام کون سی جماعت میں شامل ہے۔ غسل دینے والوں کا بیان ہے کہ جب ہم ان کو غسل دے رہے تھے تو وہ مسلسل مسکرا رہے تھے۔ یہ مسکراہٹ مرنے کے بعد بھی ان کے چہرے پر نمایاں تھی۔

تو قرآن کریم قیامت کے خوفناک مناظر کو روزانہ یاد دلاتا ہے۔ نماز کی ہر رکعت میں کہتا ہے کہ یہ یاد رکھو کہ میدان حساب میں ہی تمہارے تمام اعمال کا نتیجہ نمودار ہونے والا ہے۔ اس دنیا کی غفلتوں میں گم نہ ہو جانا۔ یہ متاع الغرور ہے، اس میں کھو نہ جانا، اپنی منزل بھول نہ جانا، اپنی پونجی کھوٹی نہ کر دینا۔

تین ایسے مقامات جہاں کوئی کسی کا خیال نہیں کریگا:

آنحضرت ﷺ کی جلیل القدر چہیتی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ غور کیجئے! سوال کس سے کیا جارہا ہے، رحمۃ للعالمین سے، جو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے اور وہ آپ کے شوہر بھی تھے اور شوہر بھی ایسے کہ بہت چاہنے والے شوہر اور بیوی بھی چہیتی بیوی۔ تو اس چہیتی بیوی نے سوال کیا: یارسول اللہ! جب ہم لوگ میدان حساب میں ہوں گے تو آپ وہاں بھی ہمارا خیال رکھیں گے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ وہاں تین مواقع ایسے ہوں گے کہ کسی کو کسی کا خیال نہیں آئے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی

ہوگی۔ نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔

ایک وہ وقت جب اعمال نامے لے کر آئیں گے جب تک دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ نہ آجائے اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہیں ہوگا۔ دوسرا وہ وقت جب اعمال نامے میزانِ عمل میں تل رہے ہوں گے، اُس میں جب تک نیکیوں کا پلڑا بھاری نہ ہوجائے، اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔ تیسرا وہ وقت جب پل صراط سے گذر ہوگا۔ جب تک پل صراط سے پار نہ ہوجائیں، کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

یہ کون فرمارہا ہے؟ تاجدار دو عالم، شفیع المذنبین، صاحب مقامِ محمود اور صاحبِ شفاعت کبریٰ اپنی زوجہ محترمہ صدیقہ بنت صدیق کے سوال کے جواب میں فرمارہے ہیں۔ یہ روایت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں نقل فرمائی ہے۔

اعمال کا وزن کس طرح ہوگا:

انسانی اعمال واقوال کا وزن کیسے ہوگا؟ جمہور علماء اہل سنت والجماعت یہ جواب دیتے رہے ہیں، روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور بعض آیات قرآنیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے تمام اعمال واقوال آخرت میں مجسم شکل میں بنادیئے جائیں گے۔ اعمال کو بھی جسمانی شکل دے دی جائے گی اور اقوال کو بھی جسمانی شکل دے دی جائے گی پھر ان کا وزن ہوگا۔

وزن ایک ''عارضی'' اور ''اضافی'' چیز ہے:

اور اب جدید سائنس نے یہ بات بھی بتلادی کہ کسی بھی چیز کا کوئی وزن اس کے ساتھ کوئی لازمی چیز نہیں ہے، ایک عارضی اور اضافی چیز ہے۔ دنیا میں ہمارا اپنا ایک وزن ہے۔ یہ گلاس رکھا ہے، اس کا ایک وزن ہے۔ یہ علم ہے، اس کا ایک وزن ہے لیکن

جب اسے اوپر لے جائیں یہاں تک کہ خلا میں پہنچادیں۔ اُس وقت ان کا کوئی وزن نہیں رہے گا، بلکہ بے وزن ہو جائیں گے۔

اب تو سٹیلائٹ ایجاد ہو گئے، خلائی جہاز خلاؤں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ زمین کی کشش سے آزاد ہوکر وہاں ان کا کوئی وزن ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ بات آپ حضرات کو معلوم ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ وزن کسی جسم کا لازمی جز نہیں ہے۔ ایک عارضی شئ ہے۔ کبھی اس کا وزن ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا۔ زمین کی فضا میں وزن ہے، خلا میں وزن نہیں، چاند پر پہنچیں تو وہاں وزن تو ہے لیکن زمینی فضا کے مقابلے میں کم وزن ہے کیونکہ زمین بڑا جسم ہے۔ اس کی کشش زیادہ ہے اس لئے یہ زیادہ تیزی سے جسم کو اپنی طرف کھینچتی ہے جبکہ چاند زمین کے مقابلے میں کم جسامت والا جسم ہے۔ وہ کم تیزی سے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کھینچنے کی اس قوت کو ''کشش ثقل'' کہتے ہیں اور کشش ثقل ہی درحقیقت وزن کا حاصل ہے۔ ایک چیز جس کا وزن زمین پر ایک کلو ہے، جب آپ اُسے چاند پر لے جائیں گے تو وہ آدھا کلو کے قریب رہ جائے گا اور اگر خلا میں لے جائیں تو اس کا کچھ بھی وزن نہیں ہوگا۔

جدید آلات نے اس حقیقت کو سمجھنا آسان کر دیا ہے:

اسی طریقے سے ہمارے یہ اعمال کہ آج دنیا میں ان کا کوئی وزن نہیں لیکن آخرت میں ان کا وزن ہو جائے گا اور میزان عمل میں وہ وزن سامنے آجائے گا۔ اس لئے اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اعمال کا وزن کیسے ہوگا؟

اور پھر آج کل کی جو ایجادات ہیں، انہوں نے تو اس بات کو سمجھنا اور زیادہ آسان کر دیا۔ آج کل ہر چیز کو ناپا جاتا ہے۔ حرارت کو بھی ناپا جاتا ہے، گرمی کو بھی، بخار کو

ناپا جاتا ہے، رفتار کو بھی۔ غرضیکہ ہر چیز کی پیمائش اور ناپنے کے آلات ایجاد ہو گئے ہیں تو اللہ رب العالمین جو ساری کائنات کے خالق ہیں۔ اس کے لئے اعمال کا وزن کرنا کیا مشکل ہے؟ وہ اِن میزانوں کے ذریعے اعمال کا وزن فرمائے گا۔

ہمیں کس چیز کی فکر کرنی ہے؟

اس کے چکر میں زیادہ نہ پڑیئے کہ وہ کیسے وزن کرے گا؟ یہ کام اس کے کرنے کا ہے۔ ہمیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو اس بات کی فکر کرنی ہے کہ ہمارے اعمال کا وزن ہونے والا ہے۔ آخرت میں ہم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم یہ بتلاؤ کہ ہم اعمال کا وزن کس طرح کریں گے؟ اس کی سائنسی توجیہ کیا ہوگی؟ آخرت میں تو یہ کہا جائے گا کہ وزنِ اعمال کے لئے لائے کیا ہو؟

صرف ایک نیکی کا مسئلہ:

اور یہ وہ وقت ہوگا کہ جب ایک ایک نیکی کام آنے والی چیز ہوگی۔ اپنے استاد محترم حضرت مولانا سبحان محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک حکایت سنی تھی جو میدان حساب میں پیش آنے والی ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک شخص اپنے اعمال لے کر آئے گا، اس کے نیک اعمال اور گناہوں دونوں کا وزن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاعدہ یہ ہے اور تمام اہلِ سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ وزنِ اعمال کے نتیجے میں جس کے اعمال کا وزن بڑھ جائے گا، وہ جنت میں جائے گا اور جس کا وزن کم ہو جائے گا، وہ جہنم میں جانے کا مستحق ہوگا۔ اور جس کا وزن برابر رہے گا، وہ اعراف میں روک لئے جائیں گے۔ نہ جنت میں نہ دوزخ میں۔

تو ایک شخص آئے گا۔ ترازو کے ایک پلڑے میں اس کی نیکیاں رکھی جائیں گی

اور دوسرے پلڑے میں گناہ، نیکیوں کا پلڑا تھوڑا سا اونچا ہوجائے گا اور گناہوں کا پلڑا تھوڑا سا نیچا ہوجائے گا۔ یہ پریشان ہوجائے گا۔ فرشتے کہیں گے تمہارے پاس صرف ایک نیکی کی کمی ہے۔ کہیں سے لے آؤ تو نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا، جان بچ جائے گی۔

اس کو قدرے اطمینان ہوگا کہ معاملہ آسان ہے۔ صرف ایک نیکی کا مسئلہ ہے۔ کسی عزیز، رشتہ دار سے مانگ لوں گا، وہ مجھے دے دیگا۔ یہ جائے گا، ایک دوست سے ملاقات ہوگی۔ اسے سارا ماجرہ سنائے گا۔ وہ کہے گا کہ بھائی! معذرت چاہتا ہوں۔ دنیا کا معاملہ الگ تھا۔ یہاں پر میں تو کچھ سخاوت نہیں کرسکتا کیونکہ میرے اعمال کا بھی وزن ہونے والا ہے۔ اگر میرے پاس ایک نیکی کی کمی رہ گئی تو میں کیا کروں گا۔

یہ شخص اس سے جدا ہوکر دوسروں کے پاس جائے گا۔ بھائی کے پاس پہنچے گا، وہ بھی انکار کردے گا، باپ کے پاس جائے گا، باپ کہے گا بیٹا! دنیا میں جو میں تمہارے لئے کرسکتا تھا، کرچکا، یہاں میرے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اگر میرے پاس ایک نیکی کم ہوگئی تو میں کیا کروں گا۔ آخر میں سب سے زیادہ محبت کرنے والی ذات ماں یاد آئے گی۔ ماں کے قدموں میں جاکر پڑے گا کہ ماں! میری جان بچالے۔ ماں کہے گی کہ بیٹا! دنیا میں تمہاری خاطر میں بھوکی بھی رہی، پیاسی بھی رہی، خود جاگ کر تجھے سلایا، سب کچھ کیا، لیکن وہ دنیا تھی، یہ میدان حساب ہے، میرے سامنے بھی میزانِ عمل ہے۔ مجھے بھی جنت اور دوزخ کا سامنا ہے۔ میں یہاں تیری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔

ہکا بکا پریشان۔ ایک شخص اس کا یہ سارا منظر دیکھ رہا ہوگا۔ وہ اسے بلاکر پوچھے گا کہ قصہ کیا ہے؟ یہ اپنا ماجرا اور بپتا سنائے گا۔ وہ کہے گا کہ عجیب بات ہے۔ تمہارے پاس ایک نیکی کی کمی ہے اور جنت میں داخلہ رکا ہوا ہے جبکہ میرا معاملہ یہ ہے کہ میرے پاس نیکی ہی صرف ایک ہے تو جب تمہاری اتنی نیکیاں تمہیں نہ بچاسکیں تو میری ایک نیکی

میرے کیا کام آئے گی۔ چلو، میں یہ نیکی تمہیں دے دیتا ہوں تاکہ تمہاری تو جان بچ جائے۔

یہ خوشی خوشی ایک نیکی لے کر میزانِ عمل کے پاس پہنچے گا اور اپنی نیکیوں میں شامل کریگا۔ پلڑا جھک جائے گا۔ نجات ہو جائے گی۔ اللہ رب العالمین یہ سارا ماجرا دیکھ رہا ہوگا لیکن بندوں اور فرشتوں کو جتانے کے لئے اس سے پوچھے گا کہ یہ نیکی کہاں سے لائے؟ وہ اپنا واقعہ سنائے گا۔ جواب ملے گا کہ لے کر آؤ وہ سخی کون ہے جو آج کے دن بھی سخاوت کر رہا ہے۔ وہ شخص حاضر کیا جائے گا۔ اس سے اللہ رب العالمین پوچھیں گے کہ تم نے یہ سخاوت کیسے کر دی، حالانکہ اس کے ماں باپ نے اسے جواب دے دیا تھا۔ وہ کہے گا کہ میں نے یہ سوچا کہ یہ ایک نیکی میری جان تو بچا نہیں سکتی۔ چلو میں اس سے اپنے بھائی کی جان بچا دو۔ اس لئے یہ نیکی میں نے اس کو دے دی۔ ارشاد ہوگا تم نے ہمارے ایک بندے پر رحم کیا۔ ہم تم پر رحم کرتے ہیں۔ تمہاری بھی بخشش کرتے ہیں۔

عکاشہ تم سے سبقت لے گئے:

تو یہ میدان حساب ہے اور وزنِ اعمال کا کٹھن مرحلہ آنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں مجھے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ستر ہزار آدمی ایسے ہیں کہ جو جنت میں بغیر حساب و کتاب کے داخل ہوں گے۔ حضرت عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دُعا فرمایئے کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے دُعا فرما دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی شامل فرما دیا۔ ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! میرے لئے بھی دُعا فرما دیجئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علیٰ دخول طوائف من المسلمین الجنۃ بغیر حساب ولا عذاب)

یہ ایک طویل بحث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مجلس میں عکاشہ کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ دُعا کیوں نہیں فرمائی؟ طلبہ نے یہ بحث بخاری و مسلم میں پڑھ لی ہوگی۔ اس لئے میں اُسے چھوڑ رہا ہوں۔ البتہ اس حدیث سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جب صرف ستر ہزار بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے اور صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے تو جب سارے کے سارے صحابہ بھی اس جماعت میں داخل نہیں ہوسکیں گے تو یہ دُعا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ یا اللہ! ہمیں بھی اس جماعت میں شامل کردے کہ ہم کس شمار وقطار میں! پھر یہ صحابہ کرام کے علاوہ جلیل القدر تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین کرام اولیاء اللہ ہیں اور شہداء بھی موجود ہوں تو ہم کس منہ سے یہ دُعا مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں بھی اس جماعت میں شامل فرمادے۔

بلا حساب و کتاب جنت میں جانے والوں کی تعداد:

لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جنہوں نے مسلم شریف کی شرح ''فتح الملہم'' لکھی اور اس میں یہ حدیث ذکر کر کے اس کے تحت ایک روایت اور لائے۔ وہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں یہ جملہ زائد ہے کہ

﴿مَعَ كل أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلفًا﴾ (فتح الملہم ۲/۵۵۳)

''(ان ستر ہزار کے مجمع میں) ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے (جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے)''

اب تعداد لاکھوں میں پہنچ گئی لیکن پھر بھی ہم سوچتے تھے کہ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد تو صحابہ کرام کی ہے، پھر تابعین، اولیاء، صدیقین، شہداء ہیں۔ اس لئے پھر بھی دُعا مانگنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کو کہ آگے انہوں نے ایک روایت سند جید کے ساتھ نقل کی۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

﴿ثم یَحثِی رَبُّکَ ثلاثَ حثیَاتٍ﴾ (فتح الملہم ۲/۵۵۳)

''پھر تمہارا رب اپنے تین لَپ بھرے گا (انسانوں کے)''

یعنی پھر اور انسانوں کے تین لپ بھر کر انہیں بھی ان لوگوں میں شامل کر دیگا جو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک ہی لپ میں کروڑوں، اربوں انسان آجائیں تو تین لپوں کے اندر نجانے کتنے لوگ آجائیں گے۔ اس واسطے میں تو اس روز سے یہ دُعا مانگنے لگا کہ اے اللہ! ہمیں اپنی جنت میں بغیر حساب و کتاب کے داخل فرما۔ میں اپنے لئے بھی یہ دُعا کرتا ہوں، آپ کے لئے بھی کرتا ہوں، اور آپ سے یہ درخواست بھی کرتا ہوں کہ آپ بھی یہ دُعا کیا کیجئے۔

بلا حساب و کتاب جنت میں جانے والوں کی صفات:

یہ لوگ جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی صفات ذکر فرمائی ہیں کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ رب العالمین پر توکل کرتے ہوں گے۔ توکل کا حاصل یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کا تقویٰ اور اخلاص وللھیت کے جامع ہوں گے۔

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ! آپ تو اس پر بھی قادر ہیں کہ بہت سے لوگوں کو مستثنیٰ کر دیں جس طرح ایک نیکی دینے والے کو عام قاعدے سے مستثنیٰ کر کے جنت میں داخل کر دیا۔

قاعدہ یہ ہے کہ دنیا میں کی ہوئی نیکی کا تو ثواب ملتا ہے، آخرت میں کی گئی نیکی پر ثواب کا وعدہ نہیں۔ اگر ایک شخص نے دنیا میں نماز نہیں پڑھی اور میدان حساب میں کہے

کہ اللہ میاں! میں اب نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اس کا اجر مجھے دے دیجئے۔ تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ آخرت میں کوئی موقع نئے عمل کا نہیں ملے گا لیکن جس شخص نے اپنی ایک نیکی دے کر اپنے بھائی کی جان بخشی کروائی، اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی نواز دیا حالانکہ اس نے یہ نیک کام آخرت کے میدان میں کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ بِیَدِکَ الْخَیرِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَيءٍ قَدِیْر ٥ اے اللہ! آپ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ آپ پر کوئی حساب و کتاب نہیں۔ آپ ہمیں بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرما دیجئے۔

حدیث کا متن:

آگے سند کے بیان کے بعد حدیث کا متن ہے۔ یہ حدیث اِس پوری کتاب کی جان ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

﴿كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ٥﴾

''دو کلمے ایسے ہیں جو محبوب ہیں رحمٰن کو، زبان پر بہت ہلکے ہیں لیکن میزانِ عمل میں بہت بھاری ہوں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:''

سبحان اللّٰہ وبحمدہ ، سبحان اللّٰہ العظیم

لفظ ''رحمٰن'' کو استعمال کرنے کی وجہ:

دیکھئے! یہاں یوں نہیں فرمایا کہ حَبِیْبَتَانِ إِلی اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں) حالانکہ رحمٰن سے مراد بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ ''رحمٰن'' کا لفظ استعمال کر کے اللہ کی رحمت

والی صفت کا حوالہ دیا۔ اور رحمت والی صفات میں بھی ''رحیم'' کے بجائے ''رحمٰن'' کی صفت کو استعمال کیا۔ ''رحمٰن'' ایسا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر نہیں بولا جاسکتا کیونکہ رحمٰن کے اندر رحمت کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ کسی اور کے اندر پائی نہیں جاسکتی۔ رحمٰن وہ ہے جس کی رحمت مسلمانوں پر بھی شامل ہو اور کافروں پر بھی شامل ہو، سارے جہانوں پر شامل ہو۔

تو بتلایا کہ یہ دو کلمے ایسی ذات کی پسندیدہ ہیں جس کی رحمت کی کوئی حد و انتہا نہیں اور جب اس کو یہ کلمات پسندیدہ ہیں تو جو شخص ان کلمات کو ادا کریگا، وہ بھی رحمٰن کا محبوب بن جائے گا اور پھر اس پر رحمتوں کی بے انتہا بارش ہوگی۔

اِن عظیم کلمات کی دوسری خاص بات یہ ہے کہ یہ زبان پر بہت ہلکے ہیں۔ ان کی ادائیگی میں کچھ مشقت اور وقت درکار نہیں ہوتا۔ اور پھر تیسری بات یہ ہے کہ میزان عمل میں بہت بھاری ہیں۔ جب انہیں میزان میں رکھا جائے گا تو میزانِ عمل کا پلڑا جھک جائے گا۔

وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِه سُبْحَانَ اللّٰهِ العَظِيم:

''سُبْحان اللّٰہِ وبحمدہٖ'' کا مطلب:

اِن کلمات کی صرفی و نحوی تحقیق کیا ہوگی؟ اس کی تفصیل آپ اپنے اساتذہ سے پڑھ چکے ہوں گے۔ بس اتنی مختصر عرض کرتا ہوں کہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کے اندر جو ''واؤ'' آیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو تشریحیں کی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ یہ ''واؤ'' حالیہ ہے۔ اور مجھے ذوقاً یہ زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اگر یہ واؤ حالیہ ہو تو اس صورت میں لفظ ''متلبساً'' محذوف ہوگا۔ اور پوری عبارت یوں

ہوگی:

﴿أُسَبِّحُ سُبْحَانَ اللّٰهِ حَالَ كَوْنِي مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ﴾

أُسَبِّحُ شروع میں محذوف ہے۔ سبحان اللہ اس کا مفعول مطلق ہے۔ وَبحمدہٖ متلبسًا محذوف کی وجہ سے حال بنے گا۔ اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا:

میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہوں اس حال میں کہ میں اس کی حمد بھی بیان کر رہا ہوں۔

یعنی ایسا نہیں ہے کہ پہلے میں اس کی تسبیح کروں گا۔ پھر حمد کروں گا۔ بلکہ دونوں کام ساتھ ساتھ کر رہا ہوں۔ گویا تسبیح وتحمید ساتھ ساتھ ہیں، آگے پیچھے نہیں۔ ایک ہی لمحے میں دونوں کام ہو رہے ہیں۔

ان دو جملوں کے فضائل:

یہاں پر کلمتان سے مراد ''جملتان'' ہیں یعنی یہ دو جملے ایسے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی موقع پر ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان میں سے صرف ایک جملہ یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ دن میں سو مرتبہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر چہ گناہ اتنے ہوں جتنے سمندروں کے جھاگ۔ آگے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس شخص کے گناہ نہیں ہیں تو سمندروں کے جھاگ کے برابر اسے نیکیاں مل جائیں گی۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگر دوسرا جملہ بھی کہہ دے تو سبحان اللہ وبحمدہ کہنے سے تو اس کے سارے گناہ معاف ہوئے، اگلے جملے سے اتنی ہی نیکیوں کا اضافہ ہو جائے گا جتنے گناہ معاف ہوئے۔

اِن کلمات کی سب سے اہم صفت:

آپ اندازہ کیجئے کہ یہ کلمات کتنے فضیلت والے ہیں اور ان میں ایک سب سے اہم صفت یہ ہے کہ یہ رحمٰن کو محبوب ہیں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں! غور کرو، اس میں لفظ ''حَبِیْبَتَان'' کتنا پیارا ہے کہ یہ کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں۔ اور جو چیز اللہ کو محبوب ہو، اس سے جو شخص بھی متصف ہوگا، وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگ اپنے مریدین کو جو معمولات یومیہ ارشاد فرماتے ہیں، ان میں کم از کم ایک تسبیح ''سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم'' کی بھی شامل ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی ابتداء اور انتہاء میں لطیف ربط:

آخر میں ایک بات مختصر عرض کر کے بات کو ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب کو شروع کیا تھا ''اِنَّمَا الأعْمَال بِالنِّیَّاتِ'' کی حدیث سے۔ جس میں ہمیں یہ سبق دیا کہ آگے پڑھنے سے پہلے اپنی اپنی نیتوں کو درست کرلو۔ جیسی نیت ہوگی، ویسا ہی اس کا نتیجہ ہوگا۔ اگر آخرت کے لئے پڑھ رہے رہو تو آخرت بنے گی اور خدانخواستہ اگر اور مقصد ہے تو پھر وہ تمہارے سامنے آئے گا۔

اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے اخلاص سے، چنانچہ جو لوگ ریاکاری کے طور پر کام کرتے ہیں ان کے اعمال میں وزن نہیں ہوتا۔ اسی طرح کفار بھی اللہ کے لئے کام نہیں کرتے تو قرآن حکیم میں کافروں کے نیک اعمال کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف: ۱۰۵)

''قیامت کے روز ہم ان کا ذرا بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

عمل جتنا زیادہ خالص ہوگا، اتنا ہی اس کا وزن زیادہ ہوگا۔

تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلی حدیث میں سبق دیا کہ اپنی نیتوں کو درست کرلو۔ اور آخر میں یہ بتایا کہ نیتوں کی درستگی کا انجام یہ ہوگا کہ اخلاص سے پڑھے ہوئے یہ چھوٹے چھوٹے جملے بھی میزان عمل کو جھکا دیں گے۔ اور اگر نیت صحیح نہیں ہوگی تو اعمال بے کار رہوں گے، ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو موت کے کٹھن مرحلے سے، قبر کی منزل سے اور میدانِ حساب سے آسانی اور عافیت کے ساتھ گذار دے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین٥

کامِل مُسلمان کون

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: ۱۰ مارچ ۲۰۰۴ء

[illegible]

کامل مسلمان کون؟

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

عن عبداللہ عمروبن العاص رضی اللہ تعالی عنہٗ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

اَلْمُسلم مَنْ سَلِمَ اَلْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِہٖ ویَدِہٖ ○

(متفق علیہ)

حدیث کا ترجمہ:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

یہ حدیث جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، بخاری شریف میں بھی آئی ہے اور مسلم شریف میں بھی۔ ایسی حدیث جو بخاری و مسلم دونوں میں آئی ہو اُسے ''متفق علیہ'' کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔''

کاش یہ حدیث ہر مسلمان کو حفظ دیاد ہو:

یہ ایسی عظیم الشان حدیث ہے کہ دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کو یہ حدیث حفظ ہو۔ ہمیں یاد ہے کہ جب ہم بالکل بچے تھے۔ دیو بند میں رہتے تھے۔ میں قاعدہ پڑھتا تھا، میری عمر اُس وقت چھ سات سال ہوگی، تو جمعرات اور جمعہ کے درمیان جو رات ہوتی تھی، اس میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کچھ فرصت ہوتی تھی کیونکہ اگلے دن سبق نہیں پڑھانا ہوتا تھا جس کی وجہ سے رات کو مطالعہ بھی نہیں کرنا ہوتا تھا۔ تو اس رات کو اور جب کبھی بھی ایسا موقع مل جاتا تو اُس وقت وہ ہمیں انبیاء کرام کے قصے سنایا کرتے تھے۔ وہی قصے ہم نے بعد میں کتابوں میں بھی پڑھے لیکن ہمیں جب یاد آتے ہیں تو کتابوں کے حوالے سے یاد نہیں آتے بلکہ والد صاحب کے سنانے کے حوالے سے یاد آتے ہیں۔ وہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت کی ساری باتیں یاد رہتی ہیں۔

اسی زمانے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا مشہور رسالہ ''جوامع الکلم'' کے نام سے لکھا تھا۔ درس نظامی کے مدارس میں یہ رسالہ طلبہ کو پڑھایا بھی جاتا ہے

اس میں جناب رسول اللہ ﷺ کی چالیس احادیث اور ان کا ترجمہ ہے۔ دیو بند میں بھی چھپی تھی۔ یہاں بھی چھپتی رہتی ہے۔ اب کچھ عرصہ پہلے دارالعلوم کراچی کے استاد مولانا راحت علی ہاشمی صاحب نے اس رسالے پر آسان سی تشریح بھی لکھ دی ہے۔ جس کی وجہ سے اب وہ عوام کے لئے بہت کام کی چیز ہوگئی ہے۔ تو ان چالیس حدیثوں میں ایک حدیث یہ بھی تھی کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلمونَ مِن لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ ہمیں یہ حدیث اسی وقت سے حفظ یاد ہے۔ جس وقت والد صاحبؒ نے یہ رسالہ تالیف فرمایا تھا۔

''تکلیف نہ پہنچنے'' کا مطلب:

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ مراد یہ ہے کہ دوسروں کو ''ناحق تکلیف'' نہ پہنچے۔ اگر کسی حق کی وجہ سے تکلیف پہنچانی پڑے جیسے ''جہاد'' میں کافروں کو تکلیف پہنچانی پڑتی ہے۔ اسی طرح چوروں کے ہاتھ کاٹنے پڑتے ہیں۔ ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹنے پڑتے ہیں۔ قاتلوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔ یہ تکلیف ممنوع نہیں کیونکہ یہ حق شرعی کی وجہ سے ہے۔ یہاں جس تکلیف سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے۔

یہ حدیث معاشرتی احکام کا بنیادی اصول ہے:

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث پورے اسلامی معاشرے سے متعلق احکام کا بنیادی اصول اور محور ہے۔ پہلے بھی یہ بات بتاتا رہتا ہوں کہ اسلام مذہب نہیں ہے، دین ہے۔ پوری زندگی کا دستور العمل ہے اور اگر اس کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے پانچ حصوں میں اس کی تعلیمات منقسم ہیں۔

پہلا حصہ ایمانیات ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا

ضروری ہے اور کن چیزوں پر ایمان نہ لانا ضروری ہے۔

دوسرا حصہ عبادات ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی وغیرہ وغیرہ

تیسرا بڑا حصہ معاملات ہے جیسے خرید وفروخت، تجارت، مزدوری، کاشتکاری، صنعت، اسی کے اندر حکومت، سیاست اور عدالتی نظام بھی آجاتا ہے۔

چوتھا بڑا حصہ معاشرت ہے۔ معاشرت کا لفظ عشرت سے نکلا ہے۔ عشرت کہتے ہیں ''زندگی'' کو۔ معاشرت کے معنی ہیں مل جل کر زندگی گذارنا۔ یہ جملے آپ بہت سنتے ہوں گے کہ ہمارا معاشرہ ایسا ہے۔ ہمارا معاشرہ بہت زیادہ خراب ہو چکا ہے وغیرہ۔ یہ لفظ اصل میں ''معاشرت'' ہی ہے۔

اسلام نے معاشرت یعنی مل جل کر زندگی گذارنے کے احکامات بھی بہت تفصیل سے بتائے ہیں۔ ہر انسان کو تقریباً ہر وقت کسی نہ کسی انسان سے واسطہ پیش آتا ہے۔ آپ یہاں بیٹھے ہیں۔ اس وقت آپ کا مجھ سے بھی واسطہ ہے اور برابر میں اور آگے پیچھے بیٹھنے والوں سے بھی واسطہ ہے۔ نماز میں کھڑے ہوں گے تو وہاں آپ کا واسطہ امام سے بھی ہوگا اور اپنے دائیں بائیں والے نمازیوں سے بھی ہوگا۔ یہاں سے نکلیں گے تو جو راستے میں ملیں گے ان سے واسطہ ہے، گھر پہنچیں گے تو بیوی، بچوں، بہن، بھائی اور ماں باپ سے واسطہ ہوگا۔ بازار جائیں گے تو دکاندار اور دوسرے لوگوں سے واسطہ ہے۔ دفتر جائیں گے تو وہاں اپنے افسر اور اپنے ماتحتوں سے واسطہ ہے۔ دکان پر جائیں گے تو وہاں اپنے گاہکوں اور اپنے ملازمین سے واسطہ ہے۔ غرض ہر ایک انسان کو تقریباً ہر وقت کسی دوسرے انسان سے واسطہ ہے۔ انسان بدلتے رہتے ہیں لیکن کوئی نہ کوئی اس کے ساتھ زندگی گذارنے والا تقریباً ہر وقت ہوتا ہے تو ان کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا کہ انہیں ادنیٰ تکلیف اور ناگواری نہ ہو، یہ اسلامی معاشرت ہے۔ اور اس اسلامی معاشرت کے احکام کا لب لباب اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے کہ

اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمانوں کو ادنیٰ تکلیف اور ناگواری نہ ہو۔

''ادب'' کیا ہے؟:

یہاں ایک بات اور عرض کردوں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس تھی۔ ہم بھی حاضر تھے۔ تو حضرت نے ایک سوال اٹھایا فرمایا کہ بھائی! یہ لفظ بہت استعمال ہوتا ہے کہ فلاں کام ادب کے خلاف ہے۔ فلاں کام ادب کے موافق ہے۔ فلاں باادب ہے، فلاں بے ادب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ''ادب'' سے کیا مراد ہے؟ ہمیں تو کچھ ہمت نہ پڑی بولنے کی، اور بھی کوئی نہیں بولا۔ پھر خود ہی فرمایا کہ یہ بات آپ مجھ سے سن لیجئے۔ فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ دوسرے کو آپ کے کسی قول یا فعل سے ناحق ادنیٰ ناگواری پیش نہ آئے نہ چھوٹوں کو تکلیف پیش آئے، نہ بڑوں کو۔

اب جو یہ کہا جاتا ہے کہ بڑوں کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھو۔ زور زور سے نہ بولو، یہ بھی ادب ہے لیکن یہ ادب اس لئے ہے کہ اگر آپ اس طرح بیٹھو گے تو انہیں ناگواری نہیں ہوگی، اگر تن کر بیٹھو گے تو سمجھیں گے کہ یہ صاحب بہادر بن کر بیٹھا ہوا ہے، اس سے انہیں ناگواری ہوگی۔ زور زور سے بولو گے تو انہیں تکلیف پہنچے گی جس سے ناگواری ہوگی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ بڑوں کے پیچھے پیچھے چلو کیونکہ آگے چلنے سے انہیں ناگواری ہوگی۔ لیکن یہ بات کوئی قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ جب ''ادب'' کی تعریف یہ ہوئی کہ ادب یہ ہے کہ دوسروں کو آپ کے قول وفعل سے ناحق ناگواری نہ ہو تو اس کے حساب سے ادب کی تفصیلات اپنے موقع کے اعتبار سے مختلف ہوں گی۔ کبھی بڑوں کے پیچھے چلنا ادب ہوگا لیکن کبھی بڑوں کے آگے چلنا ادب ہوگا۔ مثلاً اگر راستہ تاریک اور خطرناک ہے، اس میں جھاڑیاں اور جھنکار ہیں تو وہاں ادب یہ ہے کہ آپ آگے چلیں لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر پیچھے چلنا ادب ہوگا۔

اگر دو آدمی کسی سے ملیں تو گفتگو میں ادب کیا ہے؟

مسلم شریف کے اندر ایک واقعہ آتا ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہم دو آدمی تھے۔ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گئے۔ وہ مسجد جارہے تھے جب ہم نے ان کو دیکھا تو ان کو سلام کیا اور ان کے ساتھ ہولئے اور بات کرنا شروع کردی۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک طرف ہوگیا اور میرا ساتھی دوسری طرف ہوگیا۔

یہاں پر شارحین نے لکھا کہ اِن صحابہ نے اپنے اس عمل کے ذریعے سے یہ ادب بتایا کہ ''اگر دو آدمیوں کو کسی بڑے سے بات کرنی ہو تو وہاں ادب یہ ہے کہ ایک دائیں طرف ہو اور دوسرا بائیں طرف۔'' اگر یہ دونوں حضرات پیچھے چلتے تو بے ادبی کی بات ہوتی کہ اس میں اگلے آدمی کو بات سننے اور جواب دینے کے لئے بار بار پیچھے مڑنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر دونوں حضرات ایک طرف ہوکر بات کرتے تو یہ بھی بے ادبی کی بات ہوتی کیونکہ اس صورت میں اگر دوسرے سے بات کرتے تو بیچ میں ایک آدمی کو چھوڑ کر جھانک جھانک کر کرتے تو اس سے بھی تکلیف ہوتی۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑوں کے سامنے آہستہ آواز میں بات کرنا ادب ہے۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ بہت سے طلبہ ہم سے بہت آہستہ آواز میں بات کرتے ہیں۔ اور زیادہ ادب کرنا ہو تو منہ پر ہاتھ بھی رکھ لیتے ہیں۔ اب کچھ سنائی نہیں دیتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بار بار پوچھنا پڑتا ہے، پھر جا کر کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ حالانکہ یہ ادب نہیں۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اتنی زور سے بولیں کہ وہ آسانی سے سن لیں۔ ہاں اتنی زور سے بھی نہ بولیں کہ یوں معلوم ہو جیسے تماشا کر رہے ہو۔

اور یہ بات آدمی اپنے عقل وفہم اور تربیت سے سیکھتا ہے کہ میرے کون سے فعل سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی اور کون سے فعل سے تکلیف نہیں پہنچے گی، کون سا موقع آہستہ بولنے کا ہے اور کون سا موقع اونچی آواز میں بات کرنے کا ہے۔ کون سا موقع آگے چلنے کا ہے، کون سا موقع ساتھ چلنے کا ہے اور کون سا موقع پیچھے چلنے کا ہے۔

ادب بڑوں کا بھی ہوتا ہے، چھوٹوں کا بھی:

ادب کی تعریف سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ادب بڑوں کا بھی ہوتا ہے اور چھوٹوں کا بھی ہوتا ہے کیونکہ تکلیف سے تو چھوٹوں کو بھی بچانا ضروری ہے لہٰذا ایسی بات یا کام کرنا جس سے بچوں کو تکلیف پہنچے، بچوں کے ادب کے خلاف ہے۔

اللہ والوں کی باتیں سنت کے ڈھانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں۔ حضرت عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو بات فرمائی، یہ تقریباً وہی بات ہے جو جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ أَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مَن لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ (مسلمان وہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ مامون ومحفوظ رہیں)

غیر مسلموں کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے:

یہاں ایک اور بات سمجھ لیجئے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں ''مسلمون'' کا لفظ قید احترازی نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان تو محفوظ رہیں لیکن کافر محفوظ نہ رہیں یا جانور محفوظ نہ رہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں۔ ''مسلمون'' کا لفظ آنحضرت ﷺ نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ مسلمانوں کی بستی میں زیادہ تر واسطہ دوسرے مسلمانوں سے پیش آتا ہے ورنہ جس طرح مسلمانوں کو ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں، اسی طرح کافروں کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔

اور اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں۔ وہ دوسرے خواہ مسلمان ہوں خواہ کافر۔ یہ بہت اہم اور یاد رکھنے کی بات ہے کیونکہ اس سلسلے میں بہت سے مسلمانوں کو غلط فہمی ہو جایا کرتی ہے۔ یہاں ہمارے ملک میں عام طور پر خاکروب عیسائی ہوتے ہیں یا ہندو ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا کہ ان کو جتنا چاہو تکلیف پہنچادو، ہرگز درست نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے جس طرح کسی مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے اسی طرح اِن بیچاروں کو بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ ان کو گالی دینا، ان کو ناحق برا بھلا کہنا، ان کی دِل آزاری کرنا، ان کو مارنا پیٹنا اور ان کا حق مار لینا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ مسلمان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا حرام ہے۔

اسلام نے جانوروں کے بھی حقوق رکھے ہیں:

بلکہ اسلام نے تو جانوروں کو بھی تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں دی۔ ان کے بھی حقوق مقرر کئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جانورں کے حقوق سے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام ہے ''حقوق البھائم'' (جانوروں کے حقوق) اس میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ اسلام نے جانوروں کے کیا کیا حقوق رکھے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں جانوروں کے حقوق سے متعلق بڑی تفصیلات ہیں۔ اگر آپ نے کسی جانور کو پال رکھا ہے تو ان کے کھانے پینے کا انتظام آپ کی ذمہ داری ہے۔ اس کی پشت پر اتنا بوجھ لادنا جائز نہیں جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔

سید اصغر حسینؒ کے واقعات:

مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیو بند میں رہتے تھے۔ مادر زاد

ولی اللہ کہلاتے تھے۔ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے اور ہمارے دادا مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔ بڑے اونچے درجے کے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ اُن کی باتیں بڑی ظرافت والی اور حکیمانہ ہوتی تھیں۔ کئی عظیم الشان تحقیقی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ والد صاحب کے ساتھ ہم بھی کبھی کبھی جایا کرتے تھے۔ ہم تو اس لئے جایا کرتے تھے کہ ان کے ہاں جو بچے بھی جاتے، ان کو مٹھائی ملتی تھی۔ ہم جاتے تو ہمیں بھی ملتی۔ ان کے سرہانے مٹھائی رکھی رہتی تھی جب کوئی بچہ آتا، وہ اُسے کچھ مٹھائی دے دیتے۔ اور ہم بہن بھائیوں میں سے اگر کوئی بیمار ہوجاتا تو والد صاحب انہی کے پاس لے جاتے۔ وہ جھاڑ پھونک کرتے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سب ٹھیک ٹھاک ہوجاتے۔ ڈاکٹر اور حکیم کا نمبر شاذ ونادر ہی آتا، زیادہ تر انہی کے تعویذ اور جھاڑ پھونک سے کام چلتا تھا۔ دوسرے لوگوں کا خیال رکھنے میں ان کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

غریبوں کا محلّہ ہے، اس لئے مکان پکا نہیں بنواتا:

آپ جس محلے میں رہتے تھے وہ غریبوں کا محلّہ تھا۔ سب کے مکان کچے تھے۔ حضرت کا مکان بھی کچا تھا۔ برسات ہوتی تو اس کی مٹی بہہ جاتی۔ اس کی لیپائی پوتائی کرنا پڑتی۔ سال میں ایک دو دفعہ لیپائی پوتائی کی نوبت آہی جاتی جس پر اچھی خاصی محنت صرف ہوتی۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ حضرت! اس پر سیمنٹ کا پلستر کروادیں۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے بھی کہا۔ ان کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب کوئی چھوٹا انہیں کوئی مشورہ دیتا تو اس کی حوصلہ افزائی بھی بہت فرماتے۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب تو گنجائش ہے۔ آپ اپنے

مکان پر سیمنٹ کا پلستر کرادیجئے۔ فرمانے لگے ''کتنی عقلمندی کی بات کی۔ ماشاء اللہ آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔'' تعریف فرمادی لیکن بعد میں کچھ نہیں کیا۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اور مرتبہ یاد دلایا۔ اس پر بھی خوب تعریفیں کیں کہ ماشاء اللہ کتنی عمدہ تجویز دی۔ بڑی حکیمانہ بات کی، فضول سال میں دو مرتبہ ہم تکلیف اٹھاتے ہیں، خرچہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہاں بھائی! آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور اس کے بعد بھی کچھ نہیں کیا۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے پھر ایک مرتبہ یاد دلایا تو فرمایا کہ ''دیکھو بھائی! بات یہ ہے کہ اس محلے میں سارے گھر غریبوں کے ہیں، سب کے گھر کچے ہیں۔ اگر میں نے اپنا گھر پکا بنوا دیا تو ان کے دل ٹوٹیں گے، ان کے بچوں کے دل ٹوٹیں گے۔'' چنانچہ جب تک اس محلے کے سارے مکانات پکے نہیں بن گئے، حضرت میاں صاحب نے اپنا مکان پکا نہیں بنوایا، یہ تھے ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المسلمون من لسانه ویده'' پر عمل کرنے والے۔

اگر یہاں چھلکے ڈالے تو غریب بچوں کا دِل ٹوٹے گا:

حضرت والد صاحب نے ان کا ایک اور واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ انہوں نے آم کھائے۔ والد صاحب کو بھی کھلائے۔ جب چھلکے اور گٹھلیاں جمع ہو گئیں تو والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا کہ میں پھینک کر آتا ہوں۔ فرمایا کہ نہیں آپ رہنے دیں۔ والد صاحب نے جب بار بار اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ پھینکنے آتے ہیں؟ والد صاحب کہنے لگے کہ ہاں، پھینکنا کونسا مشکل کام ہے۔ باہر کوڑے پر پھینک کر آجاؤں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں، آپ کو پھینکنے نہیں آتے۔ والد صاحب نے پوچھا کہ ان کے پھینکنے میں کونسا فلسفہ ہے جو مجھے نہیں آتا۔ فرمایا، بہت گہرا فلسفہ ہے۔ رات کو جب سب سو جاتے ہیں تو گلی سے باہر نکل کر سڑک کے پاس یہ گٹھلیاں پھینکتا ہوں جہاں سے صبح

سویرے لوگ اپنے ڈنگروں (جانوروں) کو لے کر گذرتے ہیں۔ وہاں سے جانور گذرتے ہوئے انہیں کھالیتے ہیں۔ یہاں اس لئے نہیں ڈالتا کہ یہ غریبوں کا محلّہ ہے، اگر دن کے وقت اِن کو یہاں ڈالا تو غریبوں کے بچے جب اِن چھلکوں کو دیکھیں گے تو ان کے دلوں کو حسرت ہوگی، ان کا دل ٹوٹے گا۔

''انور'' ناول کیسا ہے؟:

ان کا ایک اور واقعہ تو ایسا عجیب وغریب ہے کہ آج اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ واقعہ ہم نے اپنے والد صاحب سے بھی سنا اور اپنے بڑے بھائی ذکی کیفی صاحب مرحوم سے بھی بار بار سنا۔ ہمارے بڑے بھائی ذکی کیفی صاحب ان کے بڑے لاڈلے تھے اور بہت کثرت سے ان کے پاس جاتے رہتے تھے۔ وہ اِن کے عجیب عجیب قصے اور لطیفے سنایا کرتے تھے۔ ایک عجیب قصہ یہ سنایا کہ ان کے پاس ایک مشہور ناول تھا جسے وہ کسی دکاندار سے کرائے پر لے کر آئے تھے۔ جب پڑھ لیا تو دکاندار کو واپس دینے کے لئے جارہے تھے۔ راستے میں خیال آیا کہ میاں صاحب کا گھر درمیان میں پڑتا ہے۔ چلو، ان سے سلام کرتے ہوئے چلا جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ میں نے وہ ناول اپنے نیفے میں اڑس لیا اور اوپر سے کرتہ ڈال دیا اور پھر سلام کرنے کے لئے ان کی خدمت میں پہنچا، سلام کیا، حضرت نے خیر خیریت دریافت کی اور اس کے بعد فرمانے لگے میاں! وہ ''انور'' ناول کیسا ہے؟ (ناول کا نام ''انور'' تھا) آپ چونکہ صاحب کشف بزرگ تھے، اس لئے انہیں پتہ چل گیا کہ اس نے ناول چھپا رکھا ہے۔

بلاوجہ ایک مسلمان کا دل کیوں دکھاؤں؟:

بھائی جان صاحب ہی نے ان کا یہ قصہ بھی سنایا کہ حضرت جس محلے میں رہتے

تھے۔ راستے میں ایک فاحشہ عورت کا مکان پڑتا تھا۔ وہ پیشہ ور کسبی عورت تھی۔ کسی زمانے میں وہ جوان تھی تو اس کے پاس گاہک آتے تھے۔ اب بوڑھی ہوگئی تھی تو گاہک نہیں آتے تھے۔ وہ رات کو بن سنور کر بیٹھتی تھی کہ شاید کوئی گاہک آجائے لیکن عام طور پر کوئی گاہک نہیں آتا تھا۔ حضرت میاں صاحب جب اس کے گھر سے گذرتے تو پاؤں سے جوتے نکال لیتے اور ننگے پاؤں وہاں سے گذرتے، البتہ آگے جا کر پہن لیتے۔ والد صاحب اور بھائی صاحب نے ان کو کئی مرتبہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔ ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے؟ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ اس کی ایک وجہ ہے۔" لیکن اس وقت وجہ نہیں بتائی۔ پھر کچھ عرصے بعد جب والد صاحب نے پوچھا تو فرمانے لگے کہ دراصل بات یہ ہے کہ پہلے جب یہ عورت جوان تھی۔ اس کے پاس گاہک بہت آتے تھے۔ اب بوڑھی ہوگئی ہے۔ گاہک نہیں آتے لیکن یہ انتظار میں رہتی ہے۔ میں اس کا گھر آنے سے بہت پہلے جوتے اس لئے اتار لیتا ہوں تا کہ میرے قدموں کی آہٹ اس کو سنائی نہ دے کیونکہ اگر اس کو آہٹ سنائی دے گی تو اس کے دل میں امید پیدا ہوگی کہ شاید کوئی گاہک آیا ہے اور جب میں گذر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹے گا تو بلا وجہ ایک مسلمان کا دِل کیوں دکھاؤں، دیکھئے! ایک کسبی عورت کے بارے میں حضرت کی یہ احتیاط تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل بھی ساری زندگی یہ رہا کہ آپ کے کسی عمل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں بھی لیٹ گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لیٹ گئے۔ (حجرہ تنگ تھا، سرہانے کی طرف سے باہر نکلنے کا راستہ نہ تھا البتہ پائنتی کی طرف سے راستہ تھا) میں

آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سمجھے کہ میں سورہی ہوں حالانکہ میں جاگ رہی تھی۔ آپ نے میرا اس طرح خیال فرمایا کہ آپ آہستہ آہستہ پائنتی کی طرف سرکے، پھر بہت آہستہ سے جوتے پہنے، پھر بہت آہستہ آہستہ قدم بڑھا کر چلے، پھر چپکے سے دروازہ کھولا، پھر بہت آہستہ سے دروازہ بند کیا اور باہر چلے گئے۔ حضور جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بھی پیچھے پیچھے چلی گئیں۔ جب حضور ﷺ کو دیکھا کہ واپس آرہے ہیں تو یہ بھی بھاگ کر واپس اپنی جگہ پر لیٹ گئیں۔ فرماتی ہیں کہ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ کیا بات ہے؟ تمہارا سانس پھولا ہوا کیوں ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وجہ بیان کی کہ میں آپ کے پیچھے آئی تھی اور پھر آپ کو واپس آتا دیکھ کر جلدی سے بستر پر آ کر لیٹ گئی۔

ہم اپنا جائزہ لیں:

دیکھئے! اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے کمرے سے باہر نکلنے میں کتنی احتیاط فرمائی کہ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے سب کام کئے تاکہ عائشہ صدیقہ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔ اب ہم اپنا عمل دیکھیں کہ ہم دوسرے لوگوں کو اذیت سے بچانے کی کتنی کوشش کرتے ہیں۔ آج کل یہ عادت عام ہوگئی ہے کہ کمرے میں جب کچھ لوگ سو رہے ہوں تو نیا آنے والا بتی ضرور کھولتا ہے۔ حالات کا جائزہ لیتا ہے اور پھر جا کر اپنی جگہ سو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کی نیند کمزور ہوتی ہے۔ لائٹ جلنے سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہے تو اس عمل سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ وہ تکلیف ہے جو ہم اپنے عمل کے ذریعے سے دوسروں کو پہنچاتے ہیں۔

اسی طرح ہم زبان سے بھی لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے رہتے

ہیں۔ یہ لاؤڈ سپیکر ایسا خطرناک آلہ ہے کہ زبان سے تکلیف پہنچانے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اس سے جتنی چاہو، دوسروں کو تکلیف پہنچادو۔ سوتوں کو جگادو، عبادت کرنے والوں کی عبادتیں خراب کردو اور جتنا چاہو، دوسروں کو ستالو۔ خود یہاں بیٹھے ہیں اور اس کی مار دور دور تک ہو رہی ہے۔

''زبان'' کو پہلے کیوں ذکر کیا گیا؟:

حدیث میں جو فرمایا گیا کہ ''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے'' اس میں زبان کا ذکر پہلے ہے اور ہاتھ کا بعد میں۔ ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت کم آتے ہیں جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔ ہاتھ سے تکلیف پہنچانا مشکل بہت ہے جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانا آسان بہت ہے۔ آپ کسی طاقتور کو ہاتھ سے تکلیف نہیں پہنچا سکتے، اگر آپ اُسے ہاتھ سے تکلیف پہنچائیں گے تو وہ آپ کی مرمت کردے گا لیکن زبان ایسی چیز ہے کہ کمزور سے کمزور آدمی طاقتور سے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا سکتا ہے مثلاً ٹیلی فون کر کے تکلیف پہنچادی، لاؤڈ سپیکر پر گالی دے دی یا ریڈیو اور ٹی وی پر برا بھلا کہہ دیا۔ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں محنت خرچ ہوتی ہے جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانے میں کوئی محنت خرچ نہیں کرنا پڑتی۔ اسی لئے زبان کے ذریعے سے پہنچائی جانے والی تکلیفیں زبان کی تکلیفوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہیں تو چونکہ اس کی تکلیفیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس لئے زبان کا ذکر ہاتھ سے پہلے فرمایا۔

صرف ان دو اعضاء کا ذکر کیوں فرمایا؟:

اسی طرح زبان وہاتھ کا تذکرہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے اعضاء مثلاً

ٹانگ، آنکھ یا سر سے کسی تکلیف پہنچانا جائز ہے۔ ہرگز جائز نہیں۔ ان دو اعضاء کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا کہ عام طور پر انہی دو اعضاء سے دوسروں کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔

خلاصہ:

حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ کسی بھی انسان یا جانور کو ناحق تکلیف پہنچانا مسلمان کا کام نہیں اور اگر کوئی مسلمان اس طرح کرتا ہو تو وہ اس قابل نہیں ہے کہ اُسے مسلمان کہا جائے۔ اس لئے صحیح اور کامل مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر وقت اِس بات کا خیال رکھیں کہ ہماری زبان و ہاتھ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo
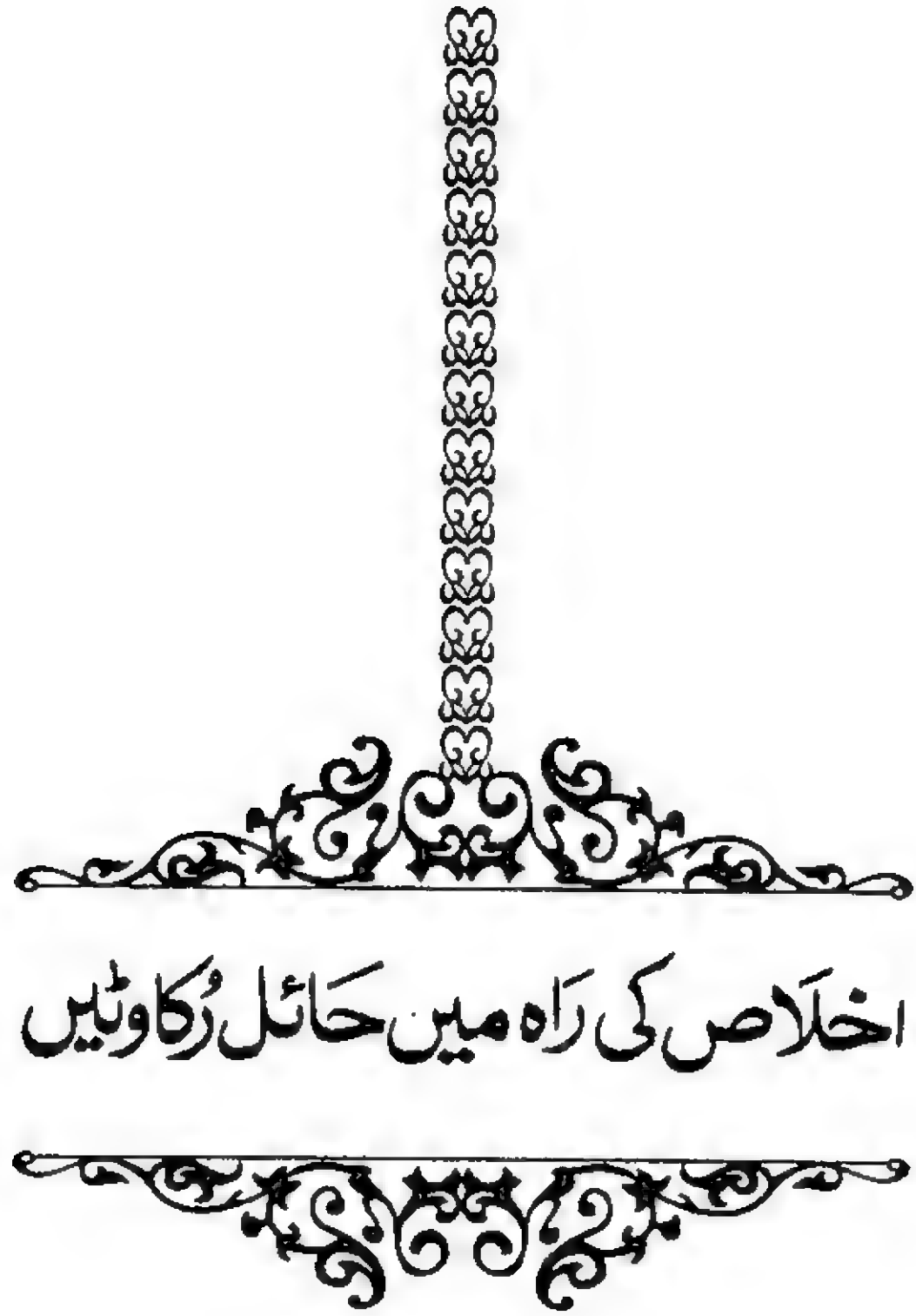
اخلاص کی راہ میں حائل رُکاوٹیں

موضوع: اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں
خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ: شوال المکرم ۱۴۲۴ھ بموقع افتتاحِ بخاری
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی
باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰـہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ. صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلِہٖ وصحبہ اجمعین ○

امابعد!

باب کیف کان بدء الوحی إلٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ جل ذکرہٗ اِنّا اوحینا إلیک کما اوْحینا إلٰی نوحٍ والنبیین من بعدہٖ، حدثنا الحمیدی عبداللہ بن زبیر قال حدثنا سفیان قال

حدثنا یحیی بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد
بن ابراهیم التیمی أنه سمع علقمه بن وقاص اللیثی
یقول سمعت عمر بن الخطاب علی المنبرقال:
سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول:
اِنّما الأعمال بالنیات ، وانّما لِکُلِ امرِئٍ مَانَوَی،
فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهُ إلٰی دُنیَا یُصیبهاأو إلٰی إمْرَاَةٍ
یَنکحُهَا، فهجرتُهُ إلٰی مَاهاجَر إلَیْهِ[1]

بخاری شریف، حدیث کی صحیح ترین کتاب:

معزز علماءِ کرام، عزیز طلبہ اور معزز سامعین!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج ہمیں بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھنے کی توفیق ہو رہی ہے اور اس تعلیمی سال کا آغاز بھی امام بخاری کی اس جلیل القدر کتاب سے ہو رہا ہے۔ جس کے بارے میں پوری امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' ہے یعنی کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب یہی کتاب ہے۔

پوری دنیا کے اندر اس وقت بخاری شریف کے لاکھوں نسخے آج بھی موجود ہیں اور پچھلے تقریباً چودہ سو سال میں بھی نجانے کتنی کتابیں موجود رہی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے اس کتاب اور اس کے مصنف کو قبولیت کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے کہ کسی اور کتاب اور اس کے مصنف کو نہیں ملا۔

امام بخاری ''ماوراء النھر'' کے رہنے والے تھے:

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بخارہ کے رہنے والے تھے۔ جو ازبکستان کا

[1] حدیث کی عبارت اور سند طالبعلم نے پڑھی۔م

مشہور شہر ہے۔ دس بارہ برس پہلے ہی روسیوں کے تسلط سے آزاد ہوا ہے۔ آزادی کے بعد ہم بھی وہاں حاضر ہوئے تھے۔ الحمدللہ، امام بخاری کے مزار پر بھی حاضری ہوئی جو سمرقند کے قریب ''خرتنگ'' کے مقام پر واقع ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ازبکستان کے رہنے والے تھے۔ ازبکستان مغربی ترکستان کا علاقہ ہے۔ یہ وہی علاقہ ہے جسے ماوراء النہر کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ آپ اپنی کتابوں میں ''ماوراء النہر'' کا لفظ بکثرت پڑھتے ہیں۔ نہر سے مراد ''دریائے آمو'' ہے جو افغانستان اور ازبکستان کے درمیان واقع ہے اور افغانستان اور تاجکستان کے درمیان بھی وہی دریا ہے۔ نہر سے اُس طرف ماوراء النہر کے ممالک ہیں جو مغربی ترکستان میں شامل ہیں۔ تاجکستان، کرغیزستان، ترکمانستان اور ازبکستان یہ چار ممالک ہیں۔ یہ چاروں مغربی ترکستان کے علاقے ہیں۔ روسیوں نے ان کو الگ الگ نام دے کر الگ الگ ملک بنادیئے تھے۔

اسلام آفاقی دین ہے:

بہرحال یہ پورا علاقہ عجمی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عجمی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے ایک عجمی کو رسولِ عربی کی احادیث کا سب سے بڑا قابلِ اعتماد جامع بنا کر دنیا کو یہ بتایا کہ اسلام نہ عربی ہے نہ عجمی بلکہ یہ آفاقی دین ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ﴾ (الحجرات:۱۰)

''مسلمان تو سب بھائی ہیں۔''

جو اسلام کو قبول کرلے، وہ اس برادری میں داخل ہوجاتا ہے۔ کالا ہو یا گورا، عربی ہو یا عجمی، کسی بھی نسل اور زبان اور علاقے سے اس کا تعلق ہو، کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ کو دِل وجان سے ماننے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کے بعد وہ اسلامی برادری کا رکن بن جاتا ہے۔ اسلام کسی علاقے، کسی زبان اور کسی نسل تک محدود نہیں۔

امام بخاری بھی عجمی تھے لیکن............:

الحمدللہ، عرب میں بڑے بڑے علماء، فقہاء، محدثین اور محققین موجود ہیں۔ عام طور پر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ علماءِ عرب کسی عجمی عالمِ دین کو نظروں میں نہیں لاتے۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش یا کسی اور عجمی ملک کا عالم ہو، اگر اس کی زبان عربی نہیں ہے تو اس کی طرف توجہ سے دیکھتے بھی نہیں۔ اگر وہ کوئی بات کرے تو توجہ سے اس کی بات سنتے بھی نہیں۔ علمی معاملات میں غیر عربی کی بات کو رنگ میں ہی نہیں لاتے۔ حدیث سناؤ تو توجہ سے سنتے ہی نہیں کہ میاں یہ عجمی کیا سنائے! لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقام ہے کہ پورے عالم عرب میں کسی بھی علمی مجلس میں چلے جایئے چاہے اس مجلس میں کتنے ہی بڑے بڑے فقہاء اور محدثین موجود ہوں، جہاں آپ حدیث روایت کر کے یہ کہہ دیں ''رواہُ البخاری'' (اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے) تو سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ جس حدیث کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے، پھر اس کی سند کوئی نہیں پوچھتا۔ بس اتنی بات کافی ہو جاتی ہے کہ اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

اس زمانے میں علم حدیث پورے عالم اسلام میں بکھرا ہوا تھا:

واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علم حدیث کے اندر اپنی پوری زندگی صرف کی ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے وطن سے نکلے تھے۔ باپ نے بہت مال ودولت چھوڑا تھا۔ سب خرچ کیا۔

اس زمانے میں یہ طریقہ نہیں تھا کہ کسی مدرسے میں داخل ہو گئے اور سارا علم وہیں مل گیا جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ آج اگر کوئی شخص حدیث کا علم حاصل کرنا چاہے تو کسی ایسے مدرسے میں داخل ہو جائے جہاں دورۂ حدیث پڑھایا جاتا ہو، اساتذہ تجربہ کار ہوں، محنت سے پڑھانے والے ہوں تو علم حدیث کی بہت سی کتابیں پڑھ لیتا ہے۔ صحاح ستہ، مؤطین، شرح معانی الآثار جیسی بڑی بڑی علم حدیث کی کتابیں پڑھ لیتا ہے۔ اس زمانے میں تو یہ کتابیں ہی نہیں تھیں۔ علم حدیث پورے عالمِ اسلام میں بکھرا ہوا تھا۔ جہاں جہاں صحابہ کرام اسلامی فتوحات کے ساتھ پہنچے تو بہت سے صحابہ کرام انہی علاقوں میں رہ گئے۔ وہیں انہوں نے حلقہ درس قائم کر دیا اور احادیث کی تبلیغ واشاعت کا مشغلہ شروع ہو گیا۔ یا کوئی تجارت میں بھی لگا تو اُسے بھی کچھ حدیثیں یاد تھیں۔ وہ حدیثیں بھی سنا رہا ہے اور خود ان پر عمل بھی کر رہا ہے۔ اس طریقے سے یہ علم حدیث پورے عالم اسلام میں بکھرا ہوا تھا۔

اور اس وقت کا عالم اسلام بھی اتنا ہی وسیع تھا جتنا آج وسیع ہے۔ اتنے بڑے عالم اسلام میں سے تلاش کر کر کے اور تحقیق کر کر کے صحیح احادیث کو جمع کرنا جوئے شیر لانا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اٹھارہ سال کی عمر تک اپنے شہر کے تمام علماء کا علم حدیث حاصل کیا۔ قرآن کریم اس سے پہلے حفظ کر چکے تھے۔ اٹھارہ سال کے بعد سفر کے لئے نکلے ہیں تو کبھی بصرے میں ہیں کبھی کوفے میں، کبھی دمشق میں ہیں کبھی بغداد میں، کبھی مکے میں ہیں کبھی مدینے میں۔ پوری بخاری شریف اسی حالت سفر میں لکھی ہے۔ قربانیاں دیں، مشقتیں اٹھائیں، محنتیں کیں اور وہ سارا پیسہ جو باپ کے ترکے سے ان کو ملا تھا، وہ انہی سفروں میں خرچ ہوا۔

نقلِ حدیث میں امام بخاری کی احتیاط:

اور احتیاط کا یہ عالم کہ اپنی کتاب میں کسی حدیث کو نقل کرنے کے لئے اپنے اوپر بہت کڑی شرطیں لگائیں۔ ان کی تفصیلات آپ انشاء اللہ دوران سال اپنے اساتذ

سے پڑھ لیں گے۔ جب تک وہ ساری شرطیں پوری نہ ہوجاتیں، اس وقت تک حدیث نہیں لکھتے تھے۔ ساری شرطیں پوری کرنے کے بعد بھی فوراً حدیث نہیں لکھتے تھے بلکہ معمول یہ تھا کہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرماتے اور خوشبو لگاتے، اس کے بعد صلاۃ الاستخارۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے کہ اس حدیث کو لکھوں یا نہ لکھوں۔ اور جب مکہ مکرمہ میں ہوتے تھے تو ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے طواف کرتے تھے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھ کر دعا کرتے۔

تحصیل علم کیلئے مشقتیں:

اس کے علاوہ تحصیل علم کے لئے جو قربانیاں اٹھائیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔ ساری جوانی سفروں کی مشقتوں میں گذر گئی۔ جس استاد کی خدمت میں رہے، اس کی آنکھ کا تارا بن کر رہے کیونکہ حافظہ غضب کا تھا اور حافظہ بڑھتا ہے تقویٰ سے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویٰ بھی عطا فرمایا تھا اور بے پناہ حافظہ بھی۔ آپ کا حافظہ محیر العقول تھا اور محنت اور وقت کی پابندی سب طلبہ سے زیادہ کرتے تھے، اس لئے استادوں کی نظروں کا تارہ بن جاتے تھے۔

کسی جگہ ایک استاد کے پاس علم حاصل کر رہے تھے ایک روز درس میں حاضر نہ ہوسکے۔ استاد کو تعجب ہوا۔ ساتھیوں کو بھی تشویش ہوئی۔ ایک دن اور گذر گیا، تشریف نہیں لائے۔ تو استاد نے شاگردوں سے کہا کہ بخاری کی خبر لو، وہ تو کبھی بھی غیر حاضر نہیں ہوتا۔ طلبہ ان کے حجرے پر پہنچے، اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی، آوازیں دیں، بار بار آواز دینے کے باوجود کوئی جواب نہیں آیا۔ آخر میں ساتھیوں نے کہا: دیکھو بخاری! ہم تمہیں پکار رہے ہیں۔ ہم تمہیں قسم دیتے ہیں کہ تم ہماری بات کا جواب دو۔ اور اگر تم نے ہماری بات کا جواب نہ دیا تو ہم دروازہ توڑ کر کمرے میں داخل ہوجائیں گے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ

تم زندہ ہو یا مردہ۔ تو اس وقت اندر سے بخاری کی آواز آئی۔ آپ نے جواب دیا کہ الحمدللہ، میں زندہ ہوں لیکن ایسی حالت میں نہیں ہوں کہ تمہارے لئے دروازہ کھول سکوں۔ اس لئے کہ میرے پاس کافی عرصے سے صرف ایک ہی جوڑا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتا تھا، پھٹ جاتا تو سی لیتا، پیوند لگا لیتا لیکن اب وہ دُھلتے دُھلتے اور سلتے سلتے اتنا بوسیدہ ہوگیا ہے اور جگہ جگہ سے اتنا پھٹ گیا ہے کہ وہ میرے جسم کے اس حصے کو بھی چھپا نہیں سکتا۔ جس حصے کو چھپانا فرض ہے۔ تو ایسا وقت بھی امام بخاری پر آیا۔

علم حدیث کے لئے محدثین کی قربانیاں:

ایسی ایسی قربانیوں کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہے اور یہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قربانی تو ہے ہی، محدثین نے علم حدیث کیلئے ایسی ایسی قربانیاں دی ہیں کہ کسی قوم کے پاس ایسی مثالیں نہیں ہیں کہ اس نے اپنے نبی کی حدیثوں کے لئے ایسی قربانیاں دی ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ بڑے چہیتے صحابی ہیں۔ مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس تھا۔ ان کے بارے میں یہ واقعہ کتب حدیث میں آتا ہے کہ ایک حدیث ان کو کسی نے سنائی اور وہ حدیث ایک صحابی کے واسطے سے سنائی۔ پوچھا کہ وہ صحابہ کہاں ہیں؟ معلوم ہوا کہ وہ دمشق میں رہتے ہیں۔ اونٹنی پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ سے دمشق پہنچے۔ یہ ایک مہینے کا سفر ہے۔ وہاں پہنچے۔ وہ اوپر بالا خانے پر تھے۔ استیذان کے لئے آواز دی۔ انہوں نے کہا کہ اوپر آیئے اور تشریف رکھئے۔ فرمایا کہ میں صرف ایک حدیث سننے کے لئے آیا ہوں۔ آپ کے حوالے سے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ان الفاظ کے ساتھ سناتے ہیں۔ کیا یہ حدیث واقعۃً انہی الفاظ کے ساتھ ہے؟ انہوں نے تائید کی۔ فرمایا کہ اچھا پھر میں جاتا ہوں۔ پھر

ایک مہینے کا سفر کر کے واپس مدینے پہنچے۔ دو مہینے کا سفر اونٹ کے ذریعے سے کیا اور سفر بھی ریگستانوں کا اور مدینہ طیبہ سے شام تک کے راستے میں آنے والے ریگستان بھی بڑے خوفناک ہیں۔ راستے میں تبوک پڑتا ہے، وہ انتہائی دشوار گذار راستہ ہے سفر تبوک کے واقعات بخاری شریف اور مسلم شریف میں آتے ہیں۔ کیسی کیسی مشقتیں پیش آئی ہیں۔ سینکڑوں سینکڑوں میل تک پانی کا کوئی نام ونشان نہیں ہوتا۔ لق ودق صحرا ہے۔

اس طرح اور کئی واقعات تاریخ میں رقم ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کی خاطر بے پناہ قربانیاں دی گئی ہیں اور ان قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی آئی ہے۔

دیکھئے! الفاظ کی تشریح اور ان کے مباحث آپ انشاء اللہ درس میں پڑھیں گے۔ وقت مختصر ہے اور بہت سے وہ حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں جو طالب علم نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق دوسرے مشاغل سے ہے۔ اس لئے ہم خالص علمی اور فنی باتوں میں نہیں جائیں گے البتہ علم حدیث، محدثین اور مدرسوں کے متعلق چند ضروری باتیں عرض کروں گا۔

پہلی حدیث مناسب باب کے عنوان سے نہیں، کیوں؟:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلا باب قائم کیا جس کا عنوان ہے:

﴿باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقول الله عزوجل اِنَّا أَوْحَيْنَا اليك. الخ﴾

باب کا عنوان تو یہ ہے کہ وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ لیکن اس کے نیچے جو پہلی

حدیث لے کر آئے، وہ نیت سے متعلق ہے، وحی سے متعلق نہیں حالانکہ دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی عنوان لگایا جاتا ہے تو اس کے نیچے آنے والا مضمون اس عنوان کے مطابق ہوتا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں تو تراجم ابواب مستقل ایک فن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ بخاری شریف کے تراجم کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ:

﴿فِقْهُ الْبُخَارِی فِی تَرَاجِمِهٖ﴾

''امام بخاری کا فقہ اس کے لئے تراجم میں موجود ہے۔''

بخاری شریف اگرچہ حدیث کی ایک بہت بلند کتاب ہے لیکن یہ فقہ کی کتاب بھی ہے۔ درحقیقت امام بخاری نے یہ فقہ الحدیث کی کتاب لکھی ہے اور اپنا فقہ ابواب کے عنوانات میں بیان کیا ہے۔ ترجمۃ الباب میں جو بات لکھی ہوتی ہے وہ ایک مسئلہ شرعیہ ہوتا ہے۔ یا تو وہ ایمانیات سے متعلق مسئلہ ہوتا ہے یا اعمال ظاہرہ سے متعلق ہوتا ہے یا اعمالِ باطنہ سے متعلق ہوتا ہے۔ بہرحال مسئلہ شرعیہ ضرور ہوتا ہے۔ اور اس ترجمۃ الباب کے نیچے جو حدیثیں آتی ہیں وہ اس مسئلے کی دلیل ہوتی ہیں۔

لیکن یہاں پر معاملہ ایسا نہیں، عنوان تو یہ ہے کہ وحی کا آغاز کیسے ہوا اور پہلی حدیث وحی سے متعلق نہیں بلکہ نیت سے متعلق ہے۔ البتہ اس باب کی اگلی ساری حدیثیں وحی سے متعلق ہیں لیکن پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر آدمی عملِ صالح اللہ کی رضا کیلئے کرتا ہے تو وہ اللہ کے لئے ہوگا اور اگر کوئی دنیا کو دکھانے کیلئے کر رہا ہے تو وہ دنیا والوں کے لئے ہوگا، اللہ کے لئے نہیں ہوگا۔ منہ پر مار دیا جائے گا، اللہ کے نزدیک اس کی ذرہ برابر قیمت نہیں ہوگی۔

اس حدیث کا تو ترجمۃ الباب سے واقعۃً کوئی تعلق نہیں لیکن یہ بات چونکا دینے والی ہے کہ عنوان کوئی لگایا اور حدیث کوئی اور لے کر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیش نظر بھی چونکانا ہی ہے کہ آدمی سوچے اور غور کرے کہ

امام بخاری جیسا جلیل القدر مصنف اس حدیث پر غیر متعلقہ عنوان کے تحت کیوں لایا۔ غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اگلی حدیثیں پڑھنے سے پہلے ایک انتہائی ضروری کام کرلو، وہ یہ کہ اپنی نیتوں کو ٹھیک کرلو۔ اس طرح خالص اللہ کے لئے کرلو کہ غیر اللہ کا اس میں دخل باقی نہ رہے۔ نہ طلب شہرت اس میں رہے اور نہ طلب جاہ اس میں رہے۔ صرف یہ نیت کرلو کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں پر خود عمل کریں گے اور دوسروں تک بھی ان کو پہنچائیں گے اور یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے کرلو۔

سال کے شروع میں ہی اپنی نیتیں درست کرلیجئے:

آج تعلیمی سال کا آغاز ہے۔ ایک طویل سفر شروع ہونے والا ہے۔ نیت کو ٹھیک کرلیجئے تاکہ اس سفر میں اٹھنے والا ہر قدم صحیح رخ پر ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر کا باعث بنے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یہ علم حاصل کیا جائے گا تو طالب علم کا جو وقت کھانے پینے میں لگے گا۔ وہ بھی عبادت اور جو کھیلنے کودنے میں لگے وہ بھی عبادت ہوگا کیونکہ وہ اس لئے کھیل رہا ہے تاکہ اس کی صحت ٹھیک رہے اور وہ زیادہ نشاط کے ساتھ علم دین کے کاموں میں مشغول رہے۔

علم کی فضیلت کب حاصل ہوگی؟:

پھر یہ کہ تمام علماء اور فقہاء کے نزدیک نفلی عبادتوں میں سے سب سے افضل عبادت علم دین کا مشغلہ ہے۔ آپ نے مشکوۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر پڑھا ہوگا کہ:

﴿تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ إِحْيَاءِ هَا﴾

(مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم الفصل الثالث ص ۳۷، ج ۱)

''رات کے ایک گھنٹے میں علم کا مشغلہ اختیار کرنا ساری رات کی عبادت سے افضل ہے۔''

علم کا مشغلہ پڑھنے کا ہو یا پڑھانے کا، تکرار کا ہو یا مطالعہ کا، لکھنے کا ہو یا لکھوانے کا، املاء لینے کا ہو یا املاء کرانے کا، ہر حال میں اس علمی مشغلے میں ایک گھنٹے کے لئے لگنا پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک شخص پوری رات تہجد پڑھتا ہے اور آپ نے صرف ایک گھنٹہ علمی مشغلے میں گذار دیا تو تمہاری عبادت اس کی عبادت سے بڑھ جائے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نیت ٹھیک ہو۔

دو بھوکے بھیڑیئے: حبِّ مال اور حبِّ جاہ:

اس موقع پر میں آپ کی توجہ تاجدار دو عالم سرور کونین ﷺ کی ایک حدیث کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَاذِئبان جائعان أرسلافی غنم بأفسدلها من حرص المرئِ علی المال والشرف لدینه﴾

(مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، الفصل الثانی، رقم الحدیث ۵۱۸۱)

حدیث کا مضمون یہ ہے کہ دو بھیڑیے ہوں اور وہ بھی بھوکے۔ اگر انہیں بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیا جائے اونٹوں اور گائے بھینس کے گلے میں نہیں۔ یہ جانور مضبوط ہوتے ہیں، اپنا دفاع کرلیں گے۔ جبکہ بکری ایک مسکین جانور ہے۔ وہ بھیڑیے سے نہ تو زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے اور نہ اس کے اندر اتنی طاقت ہے کہ ان کا مقابلہ کر سکے تو اگر بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیا تو اندازہ کیجئے کہ وہ کیسی چیڑ پھاڑ کریں گے اور پورے گلے کو تباہ کر ڈالیں گے۔ فرمایا کہ جتنی تباہی وہ پھیلائیں گے۔ یہ تباہی دین کی اس تباہی سے زیادہ نہیں ہوگی جو انسان کے دین میں پیدا ہوتی ہے، حب مال اور حب جاہ کی وجہ

سے۔ حب مال کا مطلب ہے مال کی محبت اور حب جاہ کا مطلب ہے دوسروں پر برتری حاصل کرنے کی محبت۔

اس وقت دینی حلقوں اور مدارس میں، دینی جماعتوں اور تنظیموں میں، سیاسی جماعتوں اور حکومتوں میں غرضیکہ جہاں کہیں بھی آپ دیکھیں، وہاں یہی دو بھوکے بھیڑیئے نظر آئیں گے۔ کہیں حب جاہ کا فتنہ نظر آئے گا، کہیں حب مال کا فتنہ نظر آئے گا۔

دنیا کا عظیم ترین منصب:

یہ حب جاہ کا فتنہ ہی تو ہے کہ آج ہمارے ملک میں کتنی مذہبی اور سیاسی جماعتیں ہیں، اور پھر ہر جماعت میں دو دو گروپ، پھر ہر گروپ کے دو دو گروپ، گروپ در گروپ۔ گروہ در گروہ۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہر ایک لیڈر بننے کا شوقین ہے، اور امیر اور قائد بننے کا شوقین ہے۔ تابع بننے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے: مولوی رفیع! میں آپ کو ایک ایسا منصب بتاتا ہوں جو آپ سے کوئی چھین نہیں سکتا، ایسا منصب بتاتا ہوں جس میں آپ پر کوئی حسد نہیں کرسکتا، ایسا منصب بتاتا ہوں جس میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور وہ منصب اتنا اونچا، اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اللہ کے نزدیک اس سے اونچا کوئی منصب ہی نہیں ہے۔ وہ یہ کہ ''خادم'' بن جاؤ۔ خادم بننے میں تم سے کون لڑے گا، کون حسد کرے گا، کون تم سے یہ منصب چھینے گا۔ کوئی نہیں چھین سکتا۔ اور اعلیٰ اتنا کہ خادم بننا ''عبدیت'' کا مقام ہے اور انسان کا سب سے اونچا مقام عبدیت ہے۔ انسان کے لئے کوئی مقام عبدیت سے زیادہ اونچا نہیں حتیٰ کہ انبیاء کرام کا مقامِ عبدیت ان کے مقامِ نبوت سے اونچا ہوتا ہے۔

''بعبدہ'' کیوں کہا گیا؟:

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''سیرۃ المصطفیٰ'' میں ایک بڑی اچھی بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ دیکھو قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ''[1] یہاں پر ''رسولہ'' یا ''بنبیہ'' نہیں فرمایا گیا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے کتنے اور عظیم صفاتی نام ہیں۔ ان میں سے کسی نام کا ذکر نہیں کیا۔ صرف آپ کی ''صفت عبدیت'' کا ذکر کیا۔ آپ کو معراج کی رات اتنا اونچا مقام عطا کیا جو کسی اور نبی کو میسر نہیں ہوا۔ اللہ رب العزت سے ہم کلامی نصیب ہوئی، اور ساتوں آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے۔ اس اعزاز کا ذکر کرتے ہوئے یوں نہیں کیا گیا کہ ہم نے یہ اعزاز اپنے رسول کو دیا یا اپنے نبی کو دیا بلکہ یوں کہا کہ اپنے بندے کو دیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کو اپنے بندوں کی صفات میں سے سب سے محبوب صفت ''عبدیت'' ہے۔ اور خادم کا منصب عبدیت کا منصب ہے۔

یہ اخلاص کے راستے کے ڈاکو ہیں:

اور اس منصب کے لئے کوئی جھگڑا نہیں کرنا پڑتا۔ سارے جھگڑے مخدوم بننے سے آتے ہیں۔ اگر آج آپ کہیں کوئی جھگڑا دیکھیں گے تو وہاں ان دو بھیڑیوں میں سے کوئی ایک بھیڑیا ضرور نظر آئے گا۔ یا حب جاہ نظر آئے گی یا حب مال نظر آئے گا۔ یا عہدے کا چکر ہوگا یا چندے کا فتنہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان دو فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

بخاری شریف کی پہلی حدیث اس طرف بھی توجہ دلا رہی ہے کہ ان دو بھوکے

بھیڑیوں سے بچنا۔ یہ اخلاص کے راستے کے ڈاکو اور قاطع الطریق ہیں۔ ساری محنتوں کو خاک میں ملا دینے والے ہیں۔

حضرت عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تقریریں کرنے سے منع کیوں کیا؟:

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جب انتقال ہوا تو یہ وہ زمانہ تھا کہ جب میرا اور مولانا محمد تقی صاحب کی تقریر کا اعلان اخبار میں آیا کرتا تھا کہ آج فلاں جگہ تقریر ہوگی، آج فلاں جلسے میں خطاب ہوگا وغیرہ۔ اس زمانے میں ہمارا اصلاحی تعلق حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قائم ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ ہم حضرت کی مجلس میں بیٹھے تھے تو فرمانے لگے ''مولوی رفیع صاحب، مولوی تقی صاحب! آپ تقریروں میں نہ جایا کریں۔'' یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ مجلس سے اٹھنے لگے تو پھر فرمایا: ''بھائی! آپ تقریروں میں نہ جایا کریں۔'' اگلے ہفتے مجلس میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کے بعد پھر فرمایا کہ ''بھائی! آپ تقریروں میں نہ جایا کریں، بھائی! فرمائشی تقریریں نہ کیا کریں۔ جلسوں میں نہ جایا کریں۔''

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ تقریریں کرنا تو اتنا ثواب کا کام ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، دین کی اشاعت کا ذریعہ ہے۔ حضرت نجانے کیوں منع کر رہے ہیں؟ خیر، ہم نے تقریروں میں جانا تو چھوڑ دیا لیکن حضرت سے سوال کرنے کی بھی ہمت نہ پڑی۔ تیسری مجلس میں حاضر ہوئے تو اس میں یہی فرمایا کہ تقریروں میں نہ جا کریں۔ چوتھے ہفتے پھر یہی بات فرمائی۔

ادھر جب ہم نے لوگوں سے معذرت کی تو ان کا اصرار شروع ہو گیا۔ ایک مرتبہ حضرت نے اسی طرح فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! لوگ بہت اصرار کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جب وہ اصرار کرنے لگیں تو کہہ دیا کرو کہ میں نے منع کر دیا ہے۔ میرے

اوپر ذمہ داری ڈال دیا کرو۔

کبھی کبھار ریڈیو پر تقریر ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے کہا کہ حضرت! ریڈیو والے آئے تھے۔ تقریر کے لئے فرمایا! بھائی! وہاں بھی نہ جانا۔

میں نے تصوف کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا۔ حضرت نے اُسے دیکھا اور بہت پسند فرمایا ایک مرتبہ مولانا جمیل صاحب آئے اور کہا کہ جنگ کے اندر ''اقرأ'' کے صفحے پر چھاپنا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ مضمون انہیں دے دیا۔ حضرت نے وہ مضمون دیکھا۔ فرمایا کہ بھائی! آپ کا اخبار میں ایک مضمون چھپا تھا، آپ کا وہ مضمون اچھا نہیں ہے، بے کار ہے، آئندہ ایسے مضمون نہ چھپوایا کریں۔ مجھے تعجب ہوا کہ حضرت نے تو اس مضمون کی تعریف کی تھی، اخبار میں چھپ گیا تو خراب کیسے ہوا؟

اسی حال میں کافی عرصہ گذر گیا۔ ایک دن ہم حضرت کی محفل میں بیٹھے تھے۔ فرمایا: اندر آجاؤ۔ اندر تشریف لے گئے ہم بھی ان کے ساتھ اندر گئے۔ حضرت نے بہت سارے خطوط نکالے۔ یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خطوط تھے۔ ان بزرگوں کے درمیان ہم دونوں بھائیوں کے بارے میں خط و کتابت ہوئی تھی۔ اندازہ کیجئے کہ بزرگوں کی شفقت کا، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لاکھوں مرید، اور خود کتنی مصروفیت والے۔ وہ ہمارے حضرت کو ہمارے بارے میں خط لکھتے اور ہر خط میں یہ بات لکھتے کہ مجھے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ آپ کی خدمت میں یہ دونوں صاحبزادے ہیں۔ مجھے بڑا اطمینان ہے۔ امید ہے کہ آپ ان کی طرف خاص توجہ فرمائیں گے۔ آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ کہیں خدانخواستہ ان میں کبر نہ پیدا ہوجائے۔ مجھے ان کے بارے میں کبر کا اندیشہ ہے۔ اس کا ذرا خیال رکھیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب یہ سارے خطوط ہمیں دکھانے کے بعد فرمانے لگے کہ

میں نے آپ کو جو تقریروں سے منع کیا، اس کی وجہ یہ خطوط ہیں۔ ابھی آپ تقریریں نہ کریں کیونکہ ابھی آپ کو بلوغ نہیں ہوا۔ خدانخواستہ، خدانخواستہ، اگر آپ کو شہرت کا شوق ہو گیا تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔

دس سال تک اس طرح پابندی کروائی۔ دس سال کے بعد رفتہ رفتہ اجازت دی کہ اچھا فلاں جگہ چلے جاؤ۔ اور جب جاؤ تو فلاں فلاں دُعا پڑھنا، یہ نیت کرنا۔ پابندی لگا لگا کر اجازت دینا شروع کر دی۔ یہ ہے بزرگوں کی بات، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کئی مواعظ اسی موضوع پر ہیں اور ایک مجموعہ مواعظ خاص اسی عنوان سے ''حب مال وحب جاہ'' کے نام سے چھپ گیا۔ اہلِ علم سے میری درخواست ہے کہ وہ اس کا ضرور مطالعہ کریں۔

مدرسوں پر فتنوں کے بادل منڈلا رہے ہیں:

دوسری بات جس کی طرف حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم اشارہ فرمارہے تھے۔ مدرسوں کے بارے میں اور ان فتنوں کے بارے میں جو مدرسوں پر منڈلا رہے ہیں۔ بلاشبہ، اس وقت عالم کفر کی آنکھوں میں سب سے زیادہ کھٹکنے والا شعبہ اگر کوئی ہے تو وہ دینی مدارس کا شعبہ ہے۔ اب وہ یہ سمجھ چکے ہیں کہ یہ مدرسے ٹوٹے پھوٹے نہیں، یہ روس کی طاقت کو بھی توڑ پھوڑ کر ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔ یہ خطرناک لوگ ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ بہت دنوں کے بعد انہیں علم ہوا کہ ہم خطرناک ہیں حالانکہ خطرناک تو ہم شروع سے ہیں۔ ان پر یہ راز بہت عرصے کے بعد کھلا ہے۔ ابھی چند روز پہلے اخبار میں یہ رپورٹ آئی تھی کہ پینٹا گون (جو وزارت دفاع کا سب سے بڑا مرکز ہے) اس میں وزیر دفاع نے خاص میٹنگ میں یہ سوال رکھا کہ مدارس میں

جو دہشت گردی کی تعلیم دی جارہی ہے اور وہاں سے جو دہشت گرد تیار ہورہے ہیں۔ کیا ہم ان سب کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرچکے ہیں اور کیا ہم ان کا خاتمہ کرچکے ہیں؟ غالباً ایسا نہیں ہے۔ یہ تھی رپورٹ۔

مجھے یقین ہے کہ ہمارے اِن مدرسوں کے اندر بھی امریکی جاسوس موجود ہیں لیکن وہ امریکن نہیں ہوں گے بلکہ پاکستانی مسلمان ہوں گے جو ان کے لئے مخبری کرتے ہوں گے۔ یہ جاسوس چھوٹے مدرسوں کے اندر بھی ہوں گے، بڑے مدرسوں میں بھی ہوں گے اور مسجدوں میں بھی ہوں گے۔

ہمارا ایٹمی پلانٹ دشمنوں کو کھٹکتا ہے:

ابھی حال میں امریکہ نے چار کھرب ایک ارب ڈالر کا بجٹ منظور کیا ہے دہشت گردی کے مقابلہ کرنے کے نام سے، جبکہ امریکہ کا پورے سال کا بجٹ ساڑھے تین کھرب ڈالر کا ہوتا ہے۔ یہ بجٹ اس کے علاوہ ہے۔ چار کھرب ایک ارب ڈالر کا بجٹ صرف جنگ کے لئے ہے اور یہ جنگ کس سے ہوگی، مسلمانوں سے ہے بلکہ مسلمانوں کی طاقت کے مرکزوں سے ہے۔ ہمارے ایٹمی پلانٹ سے ہے۔ ہمارا ایٹمی پلانٹ ان کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے ایٹمی سائنسدانوں نے پوری امت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے پوری امت مسلمہ پر فرض تھا کہ ان کے مقابلے میں ایٹم بم تیار کرے۔ ''وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ'' کا یہ پیغام تھا اور حکم تھا جسے ہمارے ایٹمی سائنسدانوں نے پورا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں دین ودنیا کی فلاح عطا فرمائے۔ انہوں نے امت کا سر فخر سے بلند کردیا ہے۔ یہ ایٹمی پروگرام ان کو کھٹکتا ہے۔

اس وقت انہیں ایران اور شام کی بھی فکر ہے لیکن یاد رکھئے اصل حریف اور

اصل نشانہ ہم ہیں کیونکہ ایٹم بم ہمارے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں۔ اور اسلامی قوت کا ایک جذبہ اور دین کے لئے سب کچھ قربان کرنے کا ایک بے تاب جذبہ جو پاکستان کے مسلمانوں میں ہے، وہ کہیں دکھائی نہیں دیتا اور یہ جذبہ پیدا کرنے والے یہ دینی مدرسے ہیں۔ اس لئے ان کی نظروں میں ہم آئے ہوئے ہیں۔

اب کرنا کیا ہے؟:

اب سوال یہ ہے کہ کرنا کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن مجید میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ:

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

(سورۃ محمد: ۷)

''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جمادے گا۔''

اگر ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد کریگا۔ طلبہ کے لئے دین کی مدد کا راستہ یہ ہے کہ وہ محنت اور لگن کے ساتھ پڑھیں۔ تقویٰ اور اخلاص کے ساتھ پڑھیں۔ اتباعِ سنت کا اہتمام کریں۔ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں سنت کی پیروی کریں۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی۔

مسواک کرنے سے قلعہ فتح ہوگیا:

یہ واقعہ آپ نے سنا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک مرتبہ ایک قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ امیر لشکر نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کر جتنی تدبیریں ہو سکتی تھیں۔ وہ سب اختیار کرلیں لیکن پھر بھی یہ قلعہ فتح نہیں ہو رہا۔ امیر

المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے جواب میں لکھا کہ غور کرو کہ کونسی سنت ایسی ہے جو تم سب نے چھوڑ رکھی ہے۔ جب اس کا علم ہو جائے تو سب اس سنت پر عمل کرو، پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی۔

امیر لشکر نے یہ خط سب کو پڑھ کر سنایا۔ غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ویسے تو سب سنتوں پر عمل ہو رہا ہے۔ البتہ بہت عرصے سے سب نے مسواک نہیں کیا۔ امیر لشکر نے تمام مجاہدین کو مسواک کرنے کا حکم دیا۔ پورے لشکر نے مسواک کی، قلعہ اسی دن فتح ہو گیا۔

یاد رکھئے! ہماری فتح ونصرت رسول اللہ ﷺ کے دامن کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر ہم ان کی سنتوں کا اتباع کرتے رہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ ہم مفتوح اور مغلوب نہیں ہوں گے اور اس جماعت میں شامل رہیں گے جن کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا تھا:

﴿لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ الخ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

''میری امت کی جماعت ایک ہمیشہ حق پر قائم رہے گی ان کو چھوڑنے والا اور رسوا کرنے والا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

ہمیں کوئی مٹا نہیں سکے گا۔ ہم اگر مٹیں گے تو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے مٹیں گے۔ ان دو بھیڑیوں کے کھانے سے مٹیں گے۔ جب مال کا فتنہ آئے گا تو مٹ جائیں گے۔ حب جاہ کا فتنہ آئے گا تو مٹ جائیں گے۔ لیکن اگر ان دونوں بھیڑیوں سے بچے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا اتباع زندگی کے ہر شعبے میں کیا تو کوئی ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ ہمارا ''قال اللہ وقال الرسول'' کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ہم دین کی خدمت کرتے رہیں گے۔ اس کے لئے مرتے رہیں گے، جانیں دیتے رہیں گے۔

''اتباع سنت'' کا عادی بنانے کا کیا مطلب ہے؟:

ایک بات یاد رکھئے! جب ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرو تو اس وقت ہمارے ذہنوں میں کچھ سنتیں آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ داڑھی رکھو، ٹخنہ سے اونچا پاجامہ پہنو، مسجد میں جاؤ تو دایاں پاؤں اندر رکھو اور یہ دُعا پڑھو۔ نکلو تو بایاں پاؤں پہلے نکالو اور فلاں دُعا پڑھو۔ بلاشبہ یہ سب سنتیں ہیں اور بہت اہم سنتیں ہیں لیکن ہمارا ذہن اس بات کی طرف نہیں جاتا کہ جب ہم ''سنت'' کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے یہ پوری صحیح بخاری مراد ہوتی ہے جو کہ نکاح وطلاق سے بھی متعلق ہے، میاں بیوی کے تعلقات سے بھی متعلق ہے، رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات سے بھی متعلق ہے، شہری زندگی سے بھی متعلق ہے اور حکومت سے بھی۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے۔ اپنے آپ کو اتباع سنت کا عادی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

''حب مال'' کی ایک خطرناک صورت:

''حب مال'' کے سلسلے میں ایک اور بات عرض کردوں۔ وہ یہ کہ ہمارے مدارس میں الحمدللہ بہت بڑی تعداد ایسے طلبہ کی ہے، جن کی کفالت ہمارے مدرسے کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم سے کرتے ہیں تو جو طلبہ واقعی مصرفِ زکوٰۃ ہیں؟ ان کے لئے یہ مال حلال ہے لیکن وہ طلبہ جو زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں ان کے لئے زکوٰۃ کا مال حرام ہے۔ ہمارے مدرسوں میں بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ طلبہ مدرسے میں زکوٰۃ کو استعمال کرتے کرتے اتنے عادی ہوجاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں مال دیتا ہے کہ وہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں رہتے، پھر بھی وہ زکوٰۃ کا مال لیتے رہتے ہیں۔

اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ حدیث سنی کہ:

﴿مَاخَا لَطَتِ الزَکوٰۃُ مالاً قط الا أَھْلکَتْہُ﴾

(مشکوۃ، کتاب الزکوۃ الفصل الثالث رقم الحدیث: ۱۷۹۳)

''زکوٰۃ کا مال نہیں ملتا کسی مال سے مگر اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔''

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ میرے اوپر زکوٰۃ فرض تھی۔ میں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ کا مال میرے باقی ماندہ مال کے ساتھ مل کر اُسے تباہ کر کے چھوڑے گا۔ یعنی مال کے اندر بے برکتی آئے گی۔ بیماریوں، مصیبتوں اور ناگہانی آفات پر لاکھوں روپے خرچ ہو جائیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس اتنا مال تھا کہ اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں تھا، پھر بھی اس نے زکوٰۃ لے لی تو جو مال پہلے سے اس کے پاس موجود تھا، زکوٰۃ کا مال اُسے بھی تباہ کر کے چھوڑے گا۔ اس لئے زکوٰۃ کے معاملے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

مدارس کے مال میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے:

اسی طرح مدارس کے مہتمین اور منتظمین کو بھی مدارس کے روپے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بڑی مقدس امانتیں ہوتی ہیں۔ ان کے استعمال میں ذرا سی غفلت بہت بڑے وبال کا باعث بن سکتی ہے۔

میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ جس دن سے مدرسے کا انتظام میرے سپرد ہوا

ہے۔ اس دن سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ دارالعلوم کا جو چندہ آتا ہے۔ یہ ایک سانپ ہے جو میرے گلے پڑا ہوا ہے جو کسی وقت ڈس لے گا حالانکہ میں یہ پیسہ خود نہیں لیتا۔ لینے والے بھی دوسرے ہیں اور خرچ کرنے والے بھی دوسرے لیکن ذمہ داری تو مجھ پر ہے۔

یاد رکھئے کہ مدرسے کا پیسہ سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ تمام کارکنان کو اس کے اندر بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ اسی طرح طلبہ کے لئے اس میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ مدرسے کی ایک ایک چیز خطرناک ہے۔ مدرسے کی بجلی ناجائز استعمال ہو یا پانی ناجائز استعمال ہو، پنکھا ناجائز استعمال ہو، مدرسے کی کتابوں کا غلط استعمال ہو۔ یہ سب ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اندر احتیاط کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اتباع سنت کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین○
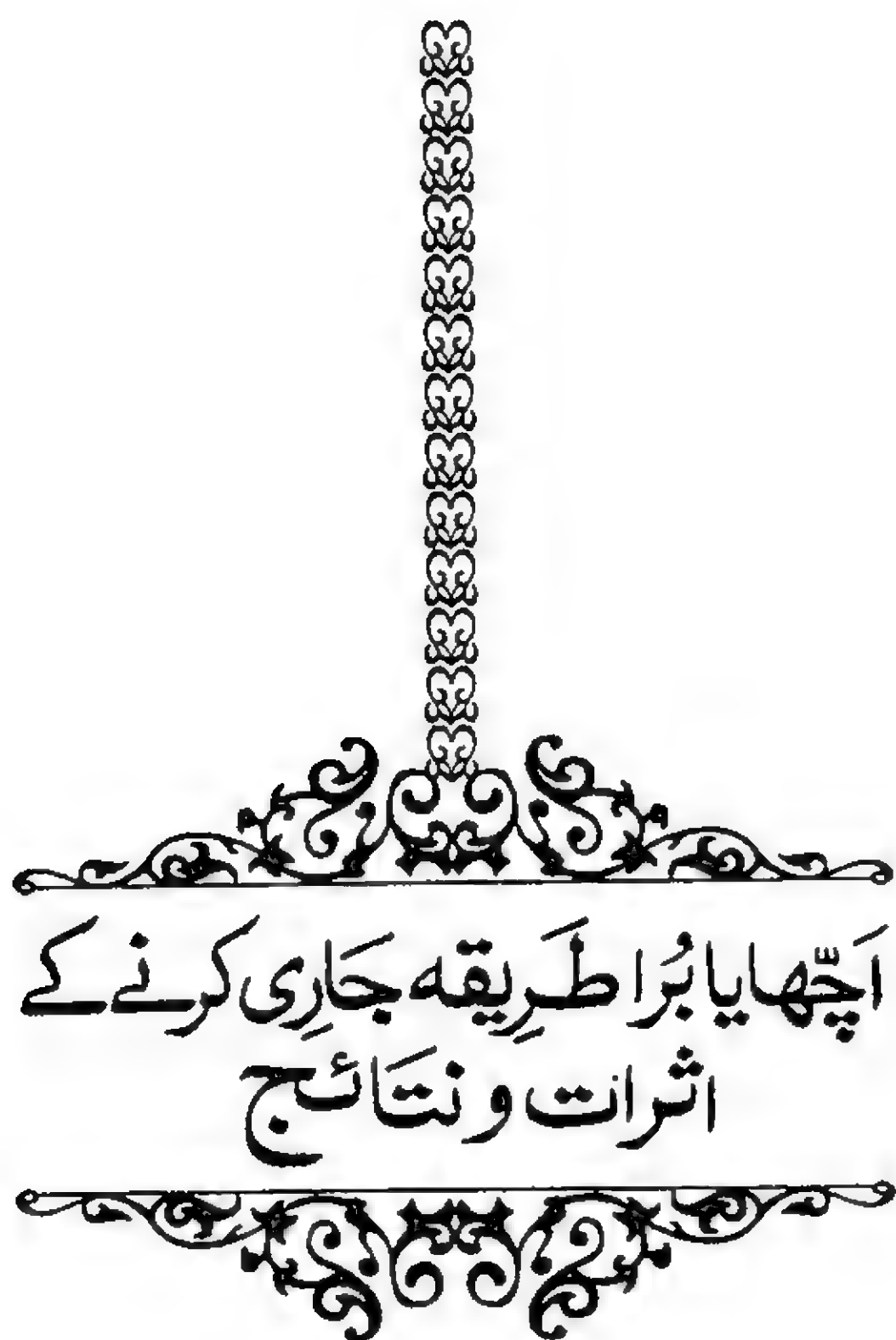
اَچھا یا بُرا طَرِیقہ جارِی کرنے کے اثرات و نتائج

موضوع: اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات ونتائج

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: ۷ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات ونتائج

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ. صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعینo وسلم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

فأعوذ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم. بسمِ اللّٰہ الرحمن الرحیم.

﴿وَالَّذِیْنَ یَقُولُونَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَامِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَاتِنَا

قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا۝ (الفرقان:۷۴)

کتاب کا تعارف:

یہ کتاب جسے ہم ہر بدھ کو عصر کے بعد پڑھتے ہیں اور اس پر مختصر خطاب ہوتا ہے علامہ نووی کی مشہور کتاب ہے۔ اس کا نام ہے ریاض الصالحین۔ ریاض کے معنی ہیں باغات[1] "الصالحین" نیک لوگوں کو کہتے ہیں۔ تو ریاض الصالحین کا مطلب ہوا نیک لوگوں کے باغات۔

جس طرح باغ میں پھل اور پھول ہوتے ہیں۔ کسی کا اپنا باغ ہے اور اس میں رنگ برنگے پھل اور پھول ہیں، جس کو جی چاہا توڑ کر استعمال میں لے آئے، اسی طرح یہ کتاب نیک لوگوں کے لئے باغ کی طرح ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو پھلوں سے بدرجہا قیمتی چیزیں ہیں۔ اس میں علامہ نووی نے ایسی ایسی احادیث جمع کی ہیں جو ہماری روزمرہ کی زندگی سے متعلق ہیں گویا صالحین جب چاہیں احادیث کے ان باغات میں جا کر پھلوں اور پھولوں سے کہیں زیادہ قیمتی احادیث چن کر اور ان پر عمل کر کے اپنی زندگی کو حسین اور راحت بخش بنا سکتے ہیں۔

باب کا تعارف:

آج ہم جس باب کو شروع کر رہے ہیں۔ اس کا نام ہے"بَابُ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً أَوْ سَيِّئَةً" (باب ہے ان لوگوں کے بارے میں جو کوئی اچھا طریقہ جاری کر دیں، یا برا طریقہ جاری کر دیں) اس باب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا طریقہ جاری کرے جو اچھا ہو مثلاً اس نے خود کوئی اچھا عمل کیا اور دوسرے لوگوں نے اُسے دیکھ کر وہ

---

[1] ریاض روضۃ کی جمع ہے۔ بمعنی باغ۔

عمل کرنا شروع کردیا یا اس نے دوسروں کو اچھا کام کرنے کی دعوت دی اور لوگوں نے اس پر عمل شروع کردیا، تو اب جتنے لوگ اس پر عمل کرتے جائیں گے، ان عمل کرنے والوں کو جتنا ثواب ملے گا اتنا ہی ثواب اس شخص کو بھی ملتا جائے گا، جس نے یہ طریقہ جاری کیا تھا۔

اور اس کے برعکس بھی یہی معاملہ ہے یعنی اگر کسی نے کوئی بُرا طریقہ جاری کردیا تو جتنے لوگ اس غلط طریقے پر عمل کرتے رہیں گے، ان سب کو بھی اس کا گناہ ہوگا اور جتنا گناہ ان کو ہوگا، اتنا گناہ اس غلط طریقہ جاری کرنے والے کو بھی ہوگا۔

اللہ کے نیک بندوں کی ایک خاص دعا:

چنانچہ اس سلسلے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب سے پہلے وہ آیت نقل کی ہے جو قرآن مجید میں عباد الرحمٰن (اللہ کے نیک بندوں) کی صفات بیان کرتے ہوئے ذکر کی گئی ہے۔

آیت یہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا﴾ (الفرقان:۷۴)

''(اللہ کے نیک بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ) وہ یہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا سردار بنادے۔''

یہاں پر ''ازواج'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ ''زوج'' کی جمع ہے۔ زوج شوہر کو بھی کہتے ہیں اور بیوی کو بھی کہتے ہیں۔ ''جوڑ'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

اگر مرد دُعا مانگیں گے تو ترجمہ ہوگا ''ہماری بیویوں سے'' اور اگر عورتیں دُعا کریں گی تو ترجمہ ہوگا ''ہمارے شوہروں سے''۔ ''ذریاتنا'' کے معنی ہیں ہماری اولاد سے اور قرۃ اعین کے معنی ہیں آنکھوں کی ٹھنڈک. مراد ہے خوشی۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نیک بندے اور نیک بندیاں یہ دُعا کرتے ہیں اور کرتی ہیں کہ اے اللہ! ہمیں ہماری بیویوں سے اور ہمارے شوہروں سے اور ہماری اولاد سے خوشیاں عطا فرما۔

اس دُعا میں دنیا وآخرت کی ساری خوشیاں جمع ہوگئی ہیں:

دعا کا یہ حصہ اتنا جامع ہے کہ دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں اس کے اندر جمع ہوگئی ہیں۔ ''خوشیاں عطا فرما'' کا مطلب ہے کہ دنیا کی بھی خوشیاں عطا فرما اور آخرت کی خوشیاں بھی عطا فرما۔ اور یہ خوشیاں اس وقت حاصل ہوں گی جب وہ صحت مند اور تندرست ہوں گے، مالی اعتبار سے بھی ٹھیک حالت میں ہوں گے، پریشان نہیں ہوں گے، آپس کے تعلقات اچھے ہوں گے، خوش اخلاق ہوں گے اور دوسرے لوگ بھی ان سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں گے، ان کے دلوں میں اُن کی محبت ہوگی اور اُن کے دلوں میں اِن کی محبت ہوگی۔ اولاد فرمانبردار، نیک اور تندرست ہوگی وغیرہ وغیرہ اور آخرت کی خوشیاں یہ ہیں کہ آخرت میں انہیں کوئی پریشانی اور عذاب نہ ہو۔ غرضیکہ اس دُعا میں وہ ساری نعمتیں آجاتی ہیں جو ایک انسان خوش رہنے کیلئے مانگتا ہے یا مانگ سکتا ہے۔

ہم سب کو یہ دُعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے:

میں لوگوں کو یہ دُعا پڑھنے کا بہت مشورہ دیتا ہوں۔ جو لوگ اپنی بیوی، بچوں کی

پریشانی کا ذکر کرتے ہیں، اپنی لڑکیوں یا لڑکوں کے لئے اچھے رشتوں کے طلب گار ہوتے ہیں، میں انہیں کہتا ہوں کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔ کوئی بیماری کا ذکر کرتا ہے کہ ہمارا بیٹا بیمار رہتا ہے، ہماری بیوی بیماری رہتی ہے، میں انہیں بھی کہتا ہوں کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمارے بیٹے کو روزگار نہیں ملتا، تنگدستی ہے، اس کے لئے بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔ کوئی کہتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات خراب ہیں، اولاد نافرمان ہے تو اس کے لئے بھی یہی دعا پڑھنے کا مشورہ دیتا ہوں کیونکہ میاں بیوی اور اولاد وماں باپ کے درمیان اچھے تعلقات پیدا کرنے کیلئے یہ انتہائی جامع دُعا ہے۔ اگرچہ اس آیت میں عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے وقت یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ یہ دُعا کرتے ہیں لیکن درحقیقت ہم سب سے یہ کہا گیا کہ تم یہ دُعا مانگا کرو۔

دُعا کا دوسرا حصہ:

اس دُعا کا دوسرا حصہ یہ ہے:

﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾

''اور ہم کو متقی لوگوں کا پیشوا بنادے۔''

یعنی جتنے ہمارے چھوٹے ہیں مثلاً اولاد ہے یا اولاد کی اولاد ہے یا چھوٹے بہن بھائی ہیں یا چھوٹے رشتے دار ہیں یا شاگرد ہیں یا مرید ہیں یا معتقدین ہیں یا ہمارے پیچھے نماز پڑھنے والے ہیں، یہ سب کے سب وہ لوگ جن کے ہم کسی نہ کسی درجے میں پیشوا ہیں۔ تو اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ! جتنے ہمارے چھوٹے ہیں ان سب کو متقی بنادے، ان کو گناہوں سے بچنے والا بنادے۔

اس دُعا سے شادی بھی ہوگی اور اولاد بھی ہوگی انشاء اللہ:

جن لوگوں کی شادیاں نہیں ہوئیں، وہ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ابھی تو ہماری

شادی نہیں ہوئی، ہمارے بیوی بچے نہیں ہیں تو یہ دُعا مانگنے کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا، یہ تو شادی شدہ لوگوں کے لئے ہے۔ نہیں، ایسی بات نہیں ہے بلکہ غیر شادی شدہ لوگ بھی یہ دُعا پڑھ سکتے ہیں۔ اگر ابھی شادی نہیں ہوئی تو انشاء اللہ، آئندہ شادی ہوگی۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شادی کی دُعا بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ بیوی کی طرف سے خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب شادی ہوگی تو گویا یہ دُعا شادی کی دُعا کو بھی متضمن ہے بلکہ شادی کے ساتھ ساتھ اولاد کی دُعا کو بھی متضمن ہے۔ جب یہ دُعا کریں گے تو شادی بھی ہوگی اور شادی کے بعد اولاد بھی ملے گی۔ لہٰذا شادی شدہ لوگ ہوں یا غیر شادی شدہ، سب کے لئے یہ بہترین دُعا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس باب میں اس دُعا کے آخری حصّے کو اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اے اللہ! ہمیں متقی لوگوں کا امام اور مقتدا بنا۔

متقی لوگوں کا امام بننے کا کیا فائدہ؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ پہلے سے متقی ہیں، ان کا امام اور پیشوا بننے کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟ متقی لوگوں کو تو تقویٰ اختیار کرنے اور گناہوں سے بچنے کا ثواب ملے گا ہمیں کیا ملے گا؟ علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ وہ یہ کہ جب ہماری بات ماننے والے لوگ، ہمارے معتقدین، ہمارے چھوٹے، ہمارے شاگرد، ہماری اولاد ہماری وجہ سے متقی بنیں گے تو تقویٰ کا جو ثواب انہیں ملے گا، وہ ہمیں بھی ملے گا۔

تو دُعا کے اس حصے کا حاصل یہ نکلا کہ جب آدمی کوئی اچھا کام کرتا ہے جس پر دوسرے لوگ بھی عمل پیرا ہوتے ہیں تو جتنا ثواب عمل کرنے والوں کو ملے گا، اتنا ہی ثواب

اچھا طریقہ جاری کرنے والے کو بھی ملے گا اور اس ثواب کی وجہ سے عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ بات بیان کرنے کیلئے علامہ نووی نے یہ آیت اس باب کے تحت ذکر فرمائی۔

اس آیت سے ان لوگوں کے لئے بڑی خوشخبری معلوم ہوئی جو دنیا میں خیر پھیلانا چاہتے ہیں۔ جو لوگ دوسروں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں، نیک کام کی طرف دعوت دیتے ہیں یا کوئی اچھا طریقہ جاری کرتے ہیں جس پر دوسرے لوگ عمل کریں تو ان کے لئے عظیم الشان ثواب ہے کہ اس کی وجہ سے جتنے لوگ عمل کریں گے، ان سب کے ثواب کے برابر اس اکیلے کو ثواب ملے گا۔

اس طرف دھیان کرنے کی ضرورت ہے:

اس طرف بہت دھیان کرنے کی ضرورت ہے۔ اب دیکھئے اس وقت جو لوگ یہاں موجود ہیں، اگر ہم جائزہ لیں تو ہم میں سے اکثر ایسے لوگ ہیں جن کی بات ماننے والے کچھ نہ کچھ لوگ ہوں گے۔ کوئی باپ ہے تو اس کی اولاد بات مانتی ہوگی، کوئی بڑا بھائی ہے، چھوٹے بہن بھائی اس کی بات مانتے ہوں گے، کوئی مسجد کا امام ہے تو مقتدی اس کی بات مانتے ہوں گے، کوئی استاد ہے تو شاگرد اس کی بات مانتے ہوں گے، کوئی افسر ہے تو اس کے ماتحت اس کی بات مانتے ہوں گے غرضیکہ ہم میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی بات ماننے والے کچھ نہ کچھ ضرور ہیں، جب یہ بات ہے تو جتنے لوگ آپ کی بات ماننے والے ہیں، آپ اتنے لوگوں کے امام ہیں۔

امام کسے کہتے ہیں؟:

ہمارے ہاں امام صرف اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے، وہ بھی امام

ہے لیکن عربی زبان میں امام صرف اس کو نہیں کہتے جو نماز پڑھائے بلکہ ''قیادت کرنے والے پیشوا'' کو اور ایسے شخص کو جس کی بات دوسرے لوگ مانیں یا اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی عمل کریں، ایسے شخص کو امام کہا جاتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا حاکم اپنی رعیت کا امام ہے، استاد اپنے شاگردوں کا امام ہے، باپ اپنی اولاد کا امام ہے، گھر کا بڑا گھر والوں کا امام ہے، افسر اپنے ماتحتوں کا امام ہے، بڑا بھائی چھوٹے بہن بھائیوں کا امام ہے غرضیکہ ہر وہ شخص امام ہے کہ جس کے چھوٹے اس کی بات مانتے ہیں یا اُسے دیکھ کر عمل کرتے ہیں۔

تو اس آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ہم میں سے جو جو شخص بھی امام ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے ماننے والوں کو متقی بنانے کی کوشش کرے۔ جتنا وہ تقویٰ اختیار کریں گے اور اس پر جتنا ان کو ثواب ملے گا، اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اور یہی بات اس باب میں بیان کرنا مقصود ہے۔

ایک اہم واقعہ:

اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ یہاں بیان کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے۔[1]

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ دن کے ابتدائی حصے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے۔ آپ کے پاس کچھ لوگ آئے جو بڑے فقر و فاقہ کی حالت میں تھے۔ اپنی شرمگاہ کو چھپانے کے لئے ان کے پاس کوئی ایسا کپڑا نہیں تھا کہ جسے وہ تہبند کے طور پر استعمال کرسکیں البتہ کالی سفید دھاریوں والا کوئی کپڑا تھا جسے انہوں نے بیچ میں سے سوراخ کرکے اوپر سر سے یا نیچے ٹانگوں سے گذار کر ناف سے باندھ لیا تھا، جس سے ان کی شرمگاہ کا حصہ چھپ گیا تھا۔ صرف اتنا

---

[1] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرةٍ أو کلمه طیبة وأنها حجاب مِن النار.

کپڑا ان کے پاس تھا۔ اس کے علاوہ ان کی پنڈلیاں اور سینہ کھلا ہوا تھا۔ گویا کپڑوں کی اتنی کمی تھی کہ پورے جسم پر پہننے کیلئے کپڑا تو کیا ہوتا، کوئی تہبند بھی ان کے پاس نہیں تھا۔ جس سے نچلا حصہ اچھی طرح چھپا سکتے۔ مجبوراً انہوں نے تہبند کی ضرورت کو ایک چھوٹے سے کپڑے کے ذریعے پورا کیا کہ اس میں سوراخ کر کے ناف سے باندھ لیا تھا۔

اور تلواریں انہوں نے گلے میں ڈالی ہوئی تھی ۔عرب میں تلواریں اپنے پاس رکھنے کا رواج تھا جیسے آج کل ہمارے قبائلی علاقے کے لوگوں کا حال ہے کہ کچھ کھانے پینے کے لئے پاس ہو یا نہ ہو لیکن بدن کے ساتھ پستول یا اس جیسا کوئی ہتھیار ضرور ہوتا ہے۔

یہ سب لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی یہ زبوں حالی اور انتہائی درجے کا فقر و فاقہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا۔ پس آپ گھر تشریف لے گئے، پھر باہر تشریف لائے، نماز کا وقت ہو چکا تھا، آپ نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان دی، اقامت ہوئی، آپ نے نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالاً کَثِیْراً وَّ نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً﴾ (سورۃ النساء، آیت نمبر ۱)

یہ وہی آیت ہے جو خطبہ نکاح میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ آیت ختم ہو رہی ہے ''اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً'' پر، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے، تمہاری نگہبانی کرتا رہتا ہے، تم سے غافل نہیں۔

دوسری آیت یہ پڑھی:

﴿یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد﴾ (الحشر:۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے۔''

''کل کے واسطے کیا بھیجا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس نے قیامت کے دن کیلئے کیا عمل کر رکھا ہے۔ ہم نے یہ آیت سن تو لی لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے اور غور و فکر کرے کہ اس نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے۔

یہ دو آیات تلاوت فرمانے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

﴿تصدق رجل من دینارہ ومن درھمہ ومن ثوبہ ومن صاع برہ ومن صاع تمرہ﴾

''آدمی اپنے دینار میں سے بھی صدقہ کرے، درہم میں سے بھی، کپڑوں میں سے بھی صدقہ کرے اور گندم و کھجور سے بھی۔''

حاصل یہ ہے کہ جس کے پاس جو کچھ مال بھی ہے، وہ اس میں ان لوگوں کے لئے صدقہ کریں۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ ولو بشق تمرۃ یعنی اگر کسی کے پاس زیادہ دینے کے لئے نہیں ہے اور وہ کھجور کا کچھ حصہ دے سکتا ہے تو کھجور کا کچھ حصہ ہی دے دے۔ غرضیکہ جس سے جتنا بھی ہو سکے وہ اتنا اللہ کے راستے میں صدقہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا خطاب سننے کے فوراً بعد ایک انصاری صحابی ایک تھیلی لے کر حاضر ہوئے۔ وہ تھیلی اتنی بھاری تھی کہ ان کے لئے اسے اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ تھیلی لا کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ پھر اسکے بعد لوگ یکے بعد دیگرے اپنے اپنے صدقات لانے لگے یہاں تک کہ دو ڈھیریاں بن گئیں۔ ایک

کپڑوں کی ڈھیری، دوسری کھانے کی ڈھیری۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے کھل اٹھا، ایسے معلوم ہوا جیسے آپ کے چہرے پر سونے کا پانی پھیر دیا گیا ہو۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿مَنْ سنّ فی الإسلام سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أجرها وأجر من عمل بها مِن بعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أنْ ينقص مِن أُجُوْرِهِم شيئاً﴾

(مسلم، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة و أنها حجاب من النار)

''جو شخص اسلام کے اندر کوئی اچھا طریقہ جاری کرتا ہے تو اس کا ثواب اس کو تو ملے ہی گا، اور جو لوگ اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کریں گے، ان کا ثواب بھی اس کو ملے گا لیکن عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔''

دیکھئے! یہاں پر سب سے پہلے اس نیک کام کا آغاز اس انصاری صحابی نے کیا جن سے وہ مال اٹھ نہیں رہا تھا۔ جسے وہ اٹھا کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں لا رہے تھے۔ جب انہوں نے ابتداء کی تو ان کے دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی لانا شروع ہو گئے۔ گویا اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کو بشارت دی کہ تمہارے دیکھا دیکھی جنہوں نے صدقہ جمع کرایا، ان سب کے برابر تمہیں ثواب ملے گا۔

اور خود رسول اللہ ﷺ کو کتنا ثواب ملے گا؟! وہ انصاری صحابی جو سب سے پہلے آئے تھے، وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر آئے تھے تو سارے صحابہ اور اس انصاری صحابی کو ملنے والے ثواب کے بقدر رسول اللہ ﷺ کو ثواب ملا۔

برائی پھیلانے والے کا انجام:

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ سَنَّ فِی الإِسْلَامِ سُنَّةً سَیِّئَةً ، کَانَ عَلَیْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَیْرِ أَنْ یُّنْقَصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَیْئٌ ۝﴾

''اور جو شخص برا طریقہ جاری کریگا تو اُسے اس کا گناہ ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کے گناہوں پر بھی اس پر آئے گا جو اس کے بعد اس برے طریقے پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کمی ہو۔''

تو جس طرح نیکی پھیلانے والے کو نیکی کرنے والوں کے عمل کا ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی برائی پھیلائے گا تو اُسے تمام برائی کرنے والوں کی برائی کے بقدر گناہ ملے گا کیونکہ وہ ذریعہ بنتا ہے دوسروں کے لئے نیکی یا گناہ پر عمل کرنے کا۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ''جو شخص بھی بے گناہ قتل ہوتا ہے تو قاتل کو تو اس کا گناہ ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو بھی اس کا گناہ ہوتا ہے کیونکہ بے گناہ قتل کرنے کا طریقہ اس نے جاری کیا تھا۔

یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اس بارے میں بہت ڈرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی چوری چھپے کوئی گناہ کرے تو وہ ایک گناہ ہے لیکن اگر علی الاعلان اس طرح گناہ کرے کہ اُسے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی گناہ کرنے لگیں تو کتنا بڑا وبال سر پر آجاتا ہے۔ وہ لوگ جن کے کچھ نہ کچھ ماتحت ہیں ان کے لئے اس میں اہم سبق یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا

کام نہ کریں جس سے ان کے چھوٹوں کو کوئی غلط سبق ملتا ہو۔

والدین سے ہونے والی ایک عام بے احتیاطی:

بعض والدین بے احتیاطی کرتے ہیں اور چھوٹے بچوں کے سامنے کوئی ایسا کام کر ڈالتے ہیں۔ جس سے ان کے ذہنوں پر غلط اثرات قائم ہوتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ چھوٹا بچہ ہے، نادان ہے اسے کیا خبر! خوب سمجھ لیجئے کہ چھوٹا بچہ اگرچہ نادان تو ہوتا ہے لیکن اس کے تحت الشعور میں وہ ساری باتیں جمع ہوتی رہتی ہیں جو اس نے سنی یا دیکھی ہوتی ہیں اور جب وہ بڑا ہوتا ہے تو وہ ساری باتیں اس کو یاد آ جاتی ہیں۔

بعض لوگ اپنے بچوں سے جھوٹ بلواتے ہیں مثلاً باہر دروازے پر کوئی آیا، بچہ دروازے پر گیا، واپس آ کر والد سے کہا کہ ابا جان! فلاں صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ ابا جان جواب میں کہتے ہیں کہ ان سے کہہ دو کہ والد صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ جب آپ نے ایک جھوٹ بلوا دیا تو ابھی سے اس کو یہ سبق مل جائے گا کہ جھوٹ بولنا کوئی بُری بات نہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ عمر بھر جھوٹ بولتا رہے گا اور عمر بھر جتنا وہ جھوٹ بولے گا، اس کا گناہ آپ کے نامہ اعمال میں جمع ہوتا رہے گا۔ یہ کتنی خطرناک بات ہے۔

آج کے باب کا حاصل یہ ہے کہ جتنا ہو سکے بھلائی اور خیر کو پھیلائیے اور جتنا ہو سکے برائی پھیلانے سے بچیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین ○
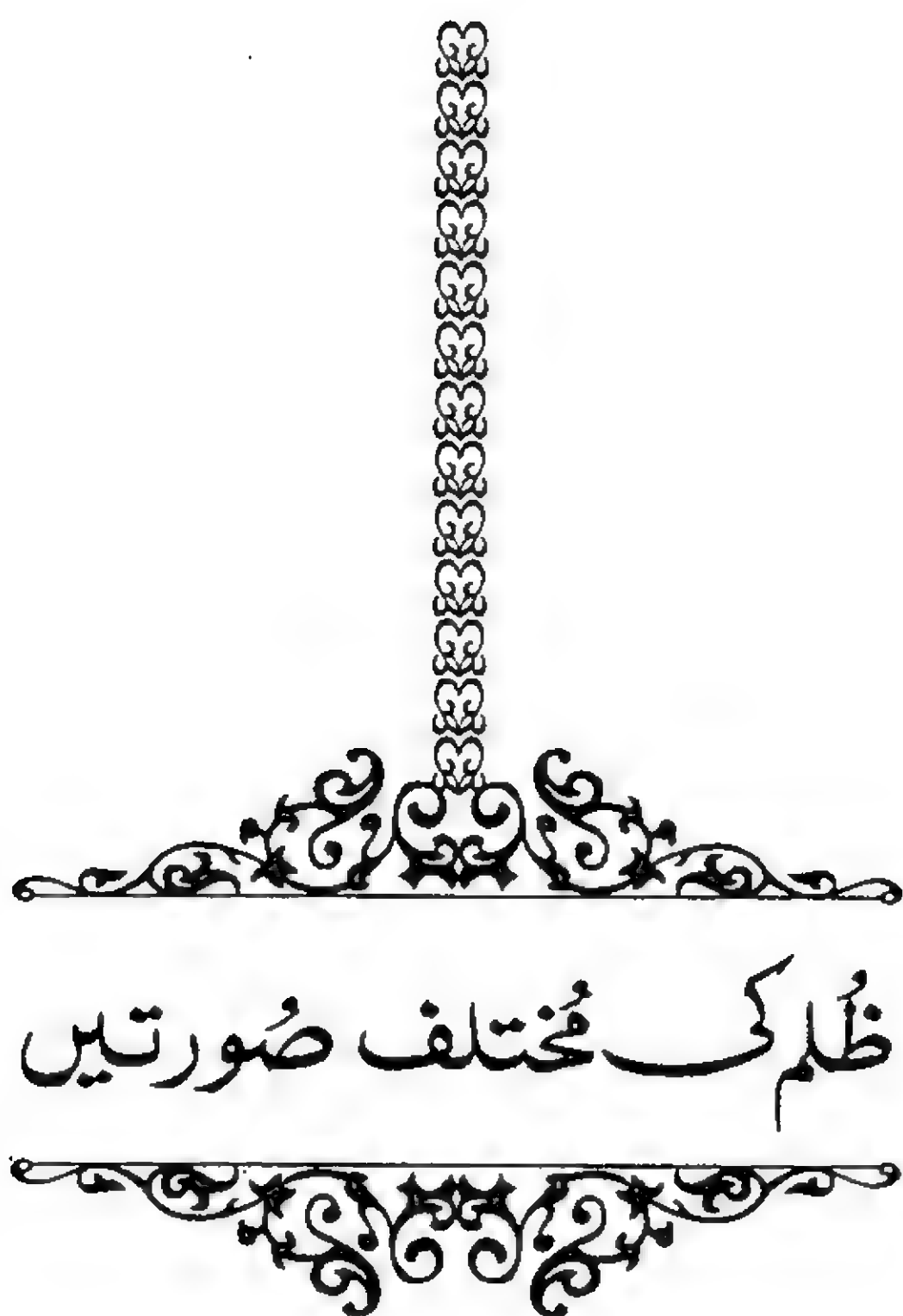
ظُلم کی مُختلف صُورتیں

موضوع: ظلم کی مختلف صورتیں

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿ظلم کی مختلف صورتیں﴾

اس فکر انگیز خطاب میں ظلم کی ان صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جن کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا بلکہ انہیں ظلم سمجھا بھی نہیں جاتا۔

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من کانت عندہ مَظْلِمَۃٌ لأ خِیہِ

مِن عرضِهِ أومِن شيئٍ فليتحلله منه اليوم قبل أن لايكون ديناراً ولا درهمًاإن كان لهُ عملٌ صالح أخذ منه بقدر مظلمتهِ وإن لم يكن لهُ حسنات أخذ مِن سيئات صاحبه فحمل عليه.

(صحیح البخاری بحوالہ ریاض الصالحین ص ۱۲۷)

حدیث کا ترجمہ:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

جو حدیث ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے۔ یہ بڑی اہم حدیث ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ ہمیں اس کی ہر روز ضرورت ہے۔ روز مرہ کے معاملات میں اسے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کے پاس کوئی ظلم ہے اس کے بھائی کیلئے (یعنی اگر کسی نے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہوا ہے) خواہ یہ ظلم اس کی عزت اور آبرو سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو تو اس پر لازم ہے کہ آج کے دن اُسے حلال کر لے (یعنی اس کا بدلہ دے دے یا اس سے معاف کرا لے) اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے کہ اس کے پاس کوئی دینار اور درہم نہ ہو۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو ظلم کے بقدر مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے۔''

قیامت کے روز ظلم کا بدلہ دلوایا جائے گا:

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے دوسرے پر ظلم کیا خواہ یہ ظلم اس کی عزت سے متعلق تھا یا کسی بھی اور چیز سے متعلق تھا تو قیامت کے روز اُسے اس کا بدلہ چکانا پڑے گا۔ اگر ظلم کرنے والے پاس نیکیاں ہوں گی تو وہ نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی ورنہ مظلوم کے گناہ اس کے سر پر لاد دیے جائیں گے۔

''مِن عِرضٍ'' سے مراد ایسا ظلم ہے جو دوسرے مسلمان کی عزت وآبرو سے متعلق ہو مثلاً کسی مسلمان کی بے عزتی کردی، کسی کی آبرو لوٹ لی، کسی کی غیبت کردی، کسی پر بہتان لگادیا، کسی کو گالی دے دی، کسی کو ناحق ڈانٹ دیا یا اس کو کسی کے سامنے ذلیل ورسوا کیا وغیرہ وغیرہ۔

''أو مِن شیئٍ'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ظلم جو کسی اور چیز سے متعلق ہو مثلاً کسی کی رقم لوٹ لی، تکلیف پہنچادی، تھپڑ ماردیا یا کسی اور ذریعے سے تکلیف پہنچادی۔

ظلم کی مختلف صورتیں:

آج کل لوگوں نے تکلیفیں پہنچانے کے بے شمار راستے اختیار کر رکھے ہیں اور ان میں سے اکثر طریقے ایسے ہیں، جن کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا کیونکہ عام طور پر لوگ ظلم کا مطلب بہت محدود سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔

غیبت:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے اندر ''غیبت'' کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ غیبت کو تو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔ کوئی شراب پی لے تو اس کا چرچا ہوتا ہے کہ فلاں

شرابی ہے، کوئی حرام کاری کرے تو وہ بھی ڈرتا پھرتا ہے اور دوسرے بھی اُسے مورِدِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ یہ بدکار ہیں، لیکن ان سے بڑا گناہ ''غیبت'' ہے اور صبح سے لے کر شام تک کتنی مرتبہ کر جاتے ہیں لیکن اس کے گناہ ہونے اور ظلم ہونے کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا۔

دیکھئے! اگر کوئی شخص شراب پینا چاہے تو اس کیلئے یہ کام کرنا آسان نہیں، بازار جا کر خریدنی پڑے گی، ہر جگہ ملتی نہیں خصوصاً پاکستان میں میں تو خریدنا بھی آسان نہیں۔ چوری چھپے خریدے گا، پھر اُسے چوری چھپے پیئے گا لیکن ساتھ ساتھ یہ ڈر بھی لگا رہے گا کہ لوگوں کو پتہ نہ چل جائے اور اگر نشہ چڑھ گیا تو پھر بچے مذاق اڑائیں گے۔ دیوبند میں ہمارے زمانے میں ایک آدمی نے شراب پی لی جس سے وہ بہک گیا تو اس کا نام ''شرابی'' پڑھ گیا، جہاں سے گذرتا، بچے اُسے پتھر مارتے اور شرابی شرابی کہہ کر پکارتے۔ تو اس نے بھی توبہ کر لی ہوگی کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بدکاری کرنا چاہے تو وہ بھی آسان نہیں بہت مشکل ہے۔

لیکن یہ غیبت کا گناہ اتنا آسان کہ ذرا سی زبان ہلے اور یہ گناہ ہو جاتا ہے اور گناہ بھی کبیرہ اور کبیرہ بھی ایسا کہ حقوق العباد سے متعلق۔ اور قرآن مجید میں اس جرم کو حقیقی مردہ بھائی کے گوشت کو کاٹ کاٹ کر کھانے سے تشبیہ دی ہے۔[1] جیسا گناہ وہ ہے، ایسا ہی یہ ہے اور اپنے بھائی پر ظلم کرنا ہے۔

غیبت کی تعریف یہ ہے:

ذِکْرُکَ أَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ

''تم اپنے مسلمان بھائی کا تذکرہ اس انداز کے ساتھ جس کو وہ پسند نہیں کرتا۔''

ہمارے اندر اس طرح کی اور بھی بہت عادتیں پڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص

پاؤں سے معذور ہے، لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کو کہہ دیا "لنگڑا" کسی کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو اس کو کہہ دیا "ٹونڈا" اگرچہ اُسے لنگڑا یا ٹونڈا کہہ کر کوئی جھوٹ نہیں بولا لیکن جس کو لنگڑا یا ٹونڈا کہا گیا اُسے یہ بُرا لگے گا یا نہیں؟ اگر اُسے پتہ چلے گا کہ آپ نے اُسے اس کی پیٹھ پیچھے لنگڑا کہا ہے تو یقیناً وہ بُرا سمجھے گا اور یہی غیبت ہے جو ظلم کی قسم ہے۔

دِل کی آزاری:

اگر پیٹھ پیچھے کہو گے تو غیبت ہے اور اگر سامنے کہو گے تو غیبت تو نہیں ہے لیکن "دل آزاری" تو ہے اور کسی مسلمان کا دل دکھانا بھی ناجائز ہے اور یہ بھی ظلم کی ایک قسم ہے۔ نجانے کتنا ظلم اِس طریقے سے ہو جاتا ہے۔

فٹ پاتھوں پر قبضہ:

ظلم کا ایک طریقہ آج کل یہ رائج ہو گیا ہے کہ فٹ پاتھ کے اوپر دکانداروں کا زبردستی قبضہ ہے۔ دوکاندار جب صبح دکان کھولے گا تو اپنے سامنے والے فٹ پاتھ پر کوئی کرسی بچھادے گا، کوئی میز بچھادے گا، کوئی بوریاں رکھ دے گا، کوئی ڈبے رکھ دے گا۔ دس فٹ کی دکان تھی، اب فٹ پاتھ کو ملا کر وہ دکان دگنی ہو گئی۔ اب فٹ پاتھ پر دکاندار کا قبضہ ہے اور جن لوگوں کے لئے یہ فٹ پاتھ بنی تھی، وہ سڑک پر چل رہے ہیں اور سڑک جن گاڑیوں کے لیے بنائی گئی تھی، اب انہیں دشواری کا سامنا ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سڑک پر چلنے والے راہ گیروں اور مسافروں کو کچلیں گی، ٹریفک میں خلل آئے گا، لوگوں کو تکلیف ہوگی، شریعت میں یہ بات بہت ہی ناقابل برداشت سمجھی گئی ہے کہ لوگوں کے راستے میں رکاوٹ پیش آئے۔

شریعت نے تھوڑی دیر کیلئے مسلمانوں کا راستہ روکنا گوارا نہیں کیا:

دیکھئے! شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں، مکروہ تحریمی ہے۔ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی مختلف صورتیں ہیں، وہ سب صورتیں مکروہ ہیں لیکن فقہاء کرام نے لکھا کہ مسجد سے باہر نماز پڑھنے کی جگہ اگر ایسی ہے کہ وہاں نمازِ جنازہ پڑھیں گے تو لوگوں کا راستہ رکے گا تو ایسی صورت میں مسجد میں نماز پڑھ لو، لیکن لوگوں کا راستہ مت روکو۔ دیکھئے! شریعت نے لوگوں کے راستے اور ان کی ٹریفک کا کتنا احترام کیا ہے کہ ان کے راستے کو کھلا رکھنے کیلئے اپنا قانون بدل دیا حالانکہ نماز پڑھنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ صفیں بنانے اور نماز جنازہ پڑھنے میں چار پانچ منٹ لگتے ہوں گے تو شریعت نے مسلمانوں کے راستے کو چار پانچ منٹ کیلئے روکنے کو بھی گوارہ نہیں کیا اور اپنے قانون میں تبدیلی کردی۔

اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تین لعنت کی چیزوں سے بچو۔[1] اور وہ یہ ہیں کہ لوگوں کے راستے میں یا سایہ دار جگہ جہاں لوگ بیٹھتے ہیں وہاں پیشاب پاخانہ کردیا جائے یا گندگی پھیلا دی جائے جس سے لوگوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

دگنا ظلم:

تو دیکھئے! شریعت کی نظر میں راستوں کو صاف رکھنے کا کتنا اہتمام ہے مگر یہ ظلم عام ہے کہ فٹ پاتھوں پر دکانداروں کا قبضہ ہے۔ ایک دکاندار نے مجھے بتایا کہ جب ہمیں یہ مسئلہ معلوم ہوا تو اس وقت سے ہم نے اپنے سامنے کے فٹ پاتھ پر سامان رکھنا چھوڑ دیا ہے، لیکن اب ہوا یہ کہ ریڑھی والوں اور چھاپڑے والوں نے اس پر قبضہ کرلیا ہے۔

کوئی وہاں پکوڑیاں بھون بھون کر کھلا رہا ہے، کوئی کباب بنا کر کھلا رہا ہے، کوئی چائے تیار کر کے پلا رہا ہے اور کوئی یخنی بنا بنا کر پلا رہا ہے، وہاں کرسیاں بچھا دیں۔ اب فٹ پاتھ پر ان کا قبضہ ہے۔

یہ قبضہ اور زیادہ خطرناک ہے۔ دکاندار کیلئے مصیبت کہ اس کے پاس جتنے گاہک آتے تھے، ان کے آنے کا راستہ بند ہو گیا، اب اس کی دکان بھی لوگوں کو نظر نہیں آتی، راستہ چلنے والوں کو راستہ ویسے ہی بند رہا، تو یہ دگنا ظلم ہو گیا۔

دھواں چھوڑتی گاڑیاں:

ظلم کی ایک صورت یہ ہے کہ گاڑیاں اس طرح چلی جارہی ہیں کہ دھوؤں کے بادل چھوڑتی جارہی ہیں۔ ڈیزل کا دھواں ناک کے ذریعے سے پھیپھڑوں میں جارہا ہے، دماغ میں گھس رہا ہے، آنکھوں میں جارہا ہے، جس سے طرح طرح کی بیماریاں پھیل رہی ہیں، تپ دق اور دمے کا مرض ہو رہا ہے، کینسر کی بیماری پھیل رہی ہے، اموات واقع ہو رہی ہیں اور کسی کو کچھ پرواہ نہیں۔ خراٹے بھرتی ہوئی گاڑیاں جارہی ہیں، ان کو کوئی روکنے والا نہیں، نہ پولیس والے کچھ کہتے ہیں نہ سارجنٹ کوئی قدم اٹھاتے ہیں حالانکہ قانوناً ایسا کرنا ناجائز ہے۔ سرکاری قانون کی رو سے ایسا کرنا ممنوع ہے لیکن ہمارے ملک میں قانون کہاں ہے؟ شریعت کا قانون یہ بھی کہتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔

کسی مہذب ملک میں یہ کام نہیں ہوتا کہ گاڑی دھواں چھوڑے۔ اگر کسی ڈرائیور نے گاڑی کا دھواں چھوڑا تو سینکڑوں ڈالر کا جرمانہ (Fine) اسی وقت ہو جاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ ایسی گاڑی چلائے جس سے دھواں نکلتا ہو۔ جبکہ ہمارے ہاں رکشے، ٹیکسیاں، گاڑیاں دھوئیں کے بادل چھوڑتی ہوئی چلتی ہیں۔ سانس لینا دشوار ہو جاتا

ہے۔ ساری فضاء میں ڈیزل کا دھواں چھایا ہوا ہے۔ لوگوں کی جانوں سے کھیلا جارہا ہے۔ یہ ناجائز ہے اور ظلم ہے۔ اس سے کتنے بے شمار لوگوں کو اذیت اور تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اس طرف دھیان نہیں جاتا۔

رشوت:

ظلم کی ایک صورت وہ ہے جو ہمارے سرکاری دفاتر میں رائج ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سرکاری دفتر میں کام کے لئے جائے تو رشوت کے بغیر کام نہیں ہوتا۔ رشوت ظلم ہی کا ایک حصہ ہے جو سراسر ناجائز اور ظلم ہے۔

لاؤڈ سپیکر کا غلط استعمال:

ظلم کا ایک اور طریقہ لاؤڈ سپیکر کے غلط استعمال کی صورت میں آج کل رائج ہے۔ چھوٹی سی مسجد ہے۔ اگر اس میں ایک سپیکر بھی لگ جائے تو حاضرین تک آواز پہنچانے کیلئے بالکل کافی ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اس کونے پر لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہے، اُس کونے پر بھی لگا رکھا ہے۔ مینار پر چار لاؤڈ سپیکر لگا رکھے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ لاؤڈ سپیکر دور دور تک لوگوں کیلئے وبال جان بنا ہوا ہے۔

لاہور میں ایک مسجد ہے بالکل چھوٹی سی۔ اس کے چاروں کونوں پر بڑے زبردست لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں۔ اس کے اوپر ایک مینار سا بنا رکھا ہے۔ اس کے اوپر بھی چار لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں۔ وہ مسجد جس گلی میں ہے، اس گلی کے کنارے پر ایک ادھر اور ایک اُدھر لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہے۔ صبح کو اذان کے وقت سے وہ لاؤڈ سپیکر کھلتا ہے۔ اذان ہوئی، اس کے بعد "الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ" شروع ہوا، اس کے بعد پھر نعتیں، نظمیں وغیرہ ہوتی رہیں پھر نماز ودُعا اسی سپیکر پر ہوئی۔ اس کے بعد "

مصطفے جانِ رحمت'' کا سلسلہ بھی اسی پر ہوا۔

اس کے بعد بچوں کو سبق پڑھانا شروع کیا۔ ہر بچے کا سبق لاؤڈ سپیکر پر ہورہا ہے۔ گیارہ بجے تک مار کرتا ہے۔ گیارہ بجے تک جتنے بچوں کو سبق پڑھایا جارہا ہے۔ پورے محلے والوں پر لازم ہے وہ بھی ہر ہر بچے کا سبق سنیں۔ اس محلے میں ہمارے رشتے دار رہتے ہیں۔ ہم وہاں جا کر ٹھہرا کرتے ہیں۔ محلے والے پریشان ہوکر ایک مرتبہ وفد کی شکل میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام صاحب نے کہا کہ'' تم بڑے نالائق ہو، ٹی وی پر اعتراض نہیں ہوتا، اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس پر تمہیں اعتراض ہوتا ہے۔''

اس کے بعد مسجد والوں نے یہ کام کیا کہ گلی سے نکل کر ایک بڑا چوراہا ہے، جو مین روڈ پر ہے۔ اس چوراہے پر بھی دو لاؤڈ سپیکر لگادیئے۔ چھوٹی سی مسجد اور اس میں'' الف ب'' کا سبق میلوں تک ہورہا ہے۔ یہ ظلم ہے۔ باہر دور دور تک آواز پہنچانے کی کیا ضرورت ہے۔ جو تمہاری آواز سننا چاہتے ہیں صرف انہی کو سناؤ۔ زبردستی دوسروں کو سننے پر مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں۔

دارالعلوم میں لاؤڈ سپیکر کے معاملے میں احتیاط:

ہمارے ہاں دارالعلوم میں اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ لاؤڈ سپیکر صرف ان تک پہنچے جو اس کی آواز سننا چاہتے ہیں۔ تراویح میں باہر کا لاؤڈ سپیکر نہیں کھولا جاتا۔ بعض اوقات دارالعلوم میں رہنے والی خواتین کی طرف سے فرمائش بھی آتی ہے کہ لاؤڈ سپیکر کھول دیئے جائیں تاکہ ہم بھی سنیں لیکن ہم ان کی فرمائش کے باوجود لاؤڈ سپیکر اس لئے نہیں کھولتے کہ ہوسکتا ہے کہ کچھ خواتین تراویح کی آواز نہ سننا چاہیں، وہ نفلیں پڑھنا چاہتی ہوں، یا رات کے ابتدائی حصہ میں سوکر آخر شب میں عبادت کرنا چاہتی ہوں۔ اگر

سو گھروں میں سے ننانوے گھروں کی عورتیں یہ چاہیں کہ سپیکر کھول دیا جائے اور ایک گھر کی طرف سے یہ خواہش ظاہر کی جائے کہ سپیکر نہ کھولا جائے تو ہمیں اس ایک گھر کی پابندی کرنا پڑے گی کیونکہ انہیں تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔

عصر کے بعد یہاں میرا بیان ہوتا ہے۔ اس میں دارالعلوم کے لاؤڈ سپیکر کھلنے پر مجھے تشویش رہتی ہے۔ پہلے یہ بیان مدرسۃ البنات میں ہوتا تھا۔ اس وقت صرف مدرسۃ البنات کا سپیکر کھولا جاتا تھا۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ یہ بیان مسجد میں ہو جایا کرے تو وہاں خواتین کو بیٹھنے میں سہولت ہو جایا کرے گی۔ اب ہمارا یہ بیان مسجد میں ہوتا ہے جس میں دارالعلوم کے تقریباً سارے سپیکر کھولے جاتے ہیں لیکن ہم نے اس کا یہ انتظام کیا ہے کہ ان سپیکروں کے ساتھ سوئچ لگوائے ہیں اور سپیکر کے قریب رہنے والوں کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ اپنا سپیکر بند کرنا چاہیں تو بلا تکلف بند کر دیں متعدد گھروں سے یہ فرمائش آئی ہے کہ ہم بیان سننا چاہتے ہیں۔ پھر بھی ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جو سننا چاہے، وہ کھول لے اور جو نہ سننا چاہے، وہ بند کر لے، خدا کرے کہ یہ طریقہ ایسا ہو کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچ رہی ہو اور اگر کسی کو تکلیف پہنچ رہی ہو تو ہماری درخواست ہے کہ ہمیں اطلاع کرے تاکہ کوئی اور متبادل طریقہ سوچا جائے۔

تو ظلم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر کو غلط استعمال کیا جائے اور عام طور پر یہ حرکتیں اہل علم اور علماء کرام نہیں کرتے۔ یہ گڑ بڑ عام طور پر ان مسجدوں میں ہوتی ہے جہاں مسجد کے امام عالم دین نہیں ہوتے۔ لباس علماء والا پہن رکھا ہوتا ہے لیکن ان پڑھ یا کم علم لوگ ہوتے ہیں۔

چندہ مانگنے میں حد سے تجاوز کرنا:

ظلم کا ایک طریقہ اور ہے اور وہ بھی کثرت سے رائج ہے۔ وہ ہے ”چندہ وصول

کرنے میں حد سے تجاوز کرنا'' مثلاً بھری مجلس میں آپ ہر ایک سے مطالبہ کریں کہ سو سو روپے سب دے دو۔ کچھ لوگوں نے دے دیا تو دوسروں کا نام لے لے کر ان سے مانگ رہے ہیں۔ کوئی شخص دینا نہیں چاہتا تھا مگر شرما شرمائی میں دے دیتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اگر نہیں دوں گا تو لوگ مجھے حقیر سمجھیں گے اور کنجوس خیال کریں گے۔ یہ بھی ظلم ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے زبردستی چھین لینا۔ چندہ لینا اُسی صورت میں جائز ہے جب دوسرا آدمی خوشی سے دے۔ حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ:

﴿لایحل مال امرئٍ إلَّا بِطیْبِ نَفْسِهٖ﴾

(مشکوۃ، کتاب البیوع، الفصل الثانی، رقم الحدیث:۲۹۴۶)

''کسی انسان کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔''

بھکاریوں کا زبردستی مسلط ہونا:

آج کل ظلم کا ایک اور طریقہ بھی چل رہا ہے۔ چوراہے پر گاڑی رکی یا کسی پھل والے کی دکان پر پھل خریدنے کیلئے گاڑی رکی، ایک ادھر سے بھکاری آجاتا ہے۔ ایک اُدھر سے آجاتا ہے اور مانگنا شروع کردیتے ہیں۔ بات تک کرنے نہیں دیتے، ان سے کہا جائے کہ معاف کرو، پھر بھی نہیں ہٹتے۔ زبردستی مسلط ہوجاتے ہیں۔ آخر مجبور ہوکر آدمی کچھ نہ کچھ جیب سے نکال کر دیتا ہے تاکہ وہ پیچھا چھوڑ دے۔ یہ بھی ظلم اور ناجائز ہے۔

ظلم کا ایک طریقہ یہ چل رہا ہے کہ بھیک تو نہیں مانگتے لیکن کوئی کنگھا لئے کھڑا ہے، کوئی کمر بند لئے کھڑا ہے کہ صاحب! اللہ کے واسطے یہ خریدلو۔ ان سے کہا جائے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں تو اصرار کرتے ہیں کہ خریدلو، جان نہیں چھوڑتے، یہ بھی زبردستی اور ظلم ہے۔

دوسروں کی عمارتوں پر پوسٹر لگانا اور چاکنگ:

اسی طرح ظلم کا ایک طریقہ اور چل رہا ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں کے مکانات اور عمارتوں پر پوسٹر چپکا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ مالکان کی اجازت کے بغیر ہوتا ہے۔ پوسٹر چھپوانے میں تو پھر بھی خرچہ ہوتا ہے۔ اب تو آسان کر رکھا ہے کہ پوچی لی، رنگ میں ڈبویا اور ہر ایک کی دیوار پر کچھ نہ کچھ لکھ گئے۔ چلو فلاں جگہ چلو۔ فلاں جئے، فلاں زندہ باد، فلاں مردہ باد۔ کوئی صاحب مجرب علاج لکھ کر چلے گئے کہ تمام امراض کا علاج چاہیے تو فلاں ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ کوئی تعویذ والا ہے کہ کالے جادو کی کاٹ فلاں عامل کے پاس ہے۔ یہ ساری اشتہار بازی لوگوں کے گھروں کی دیواروں پر اور اداروں کی دیواروں پر ہو رہی ہے۔ یہ ظلم ہے اور ناجائز ہے کیونکہ دوسروں کی املاک کو ان کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ مدینہ کی گلی سے گذر رہے تھے۔ وہاں ایک انصاری کا مٹی کا مکان تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر دو مرتبہ ہاتھ مار کر تیمّم کر لیا۔ تیمّم کے لئے دو مرتبہ ہاتھ مارنا پڑتا ہے۔ پہلی مرتبہ ہاتھ مار کر چہرے پر اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر بازوؤں پر پھیرا جاتا ہے ظاہر ہے کہ مکان کے اس معمولی سے استعمال پر مالک مکان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود اس حدیث کی تشریح میں علماء کرام نے یہ سوال اٹھایا کہ یہ مکان رسول اللہ ﷺ کا نہیں تھا بلکہ ایک انصاری صحابی کا تھا تو آپ ﷺ نے دوسرے کے مکان کو اس کی اجازت کے بغیر کیسے استعمال فرمایا حالانکہ دوسرے کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔

پھر اس کا جواب یہ دیا کہ عام حالات میں تو ایسا کرنا جائز نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کو یقین تھا اور یہ یقین بالکل صحیح تھا کہ اس انصاری کو اگر یہ معلوم ہوگا کہ میں نے

اپنے دو ہاتھ اس کی دیوار پر مارے ہیں تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا۔ اس لئے آپ ﷺ نے اجازت لینے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی کیونکہ اجازت یقینی طور پر موجود تھی۔

تو دیکھئے! فقہا کرام نے اس معمولی سے استعمال پر بھی سوال اٹھایا۔ کہاں یہ مسئلہ اور کہاں پوسٹر چپکا چپکا کر دیواروں کا ستیاناس کرنا اور چاکنگ کر کر کے ان کا حلیہ بگاڑنا اور پھر یہ ظلم اور بڑھتا جا رہا ہے وہ یہ کہ حکومت کی طرف سے سڑکوں کی نشاندہی کے لئے تختیاں لگائی جاتی ہیں کہ یہ فلاں روڈ ہے۔ فلاں شارع ہے۔ اس پر پوسٹر لگا دیئے جاتے ہیں جس سے تختی کی اصل عبارت غائب ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تختی اس لئے لگائی گئی تھی کہ چلنے والوں کو راستہ معلوم ہو۔ آپ کو تو راستہ معلوم ہے لیکن جو اجنبی اس شہر میں آیا ہے اس کو تو ان تختیوں کی ضرورت ہے، اس کے بغیر وہ راستہ بھول جائے گا۔

غلط وقت پر فون کرنا:

ظلم کا ایک اور طریقہ بھی ہمارے معاشرے میں بہت پھیلا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ جس کو جب چاہو، ٹیلی فون کر دو، یہ دیکھے بغیر کہ اس کے سونے کا وقت ہے یا کھانا کھانے کا وقت ہے یا آرام کا وقت ہے۔ مسئلہ ہے اس کے دفتر کا لیکن اس کے گھر پر فون کر دیا حالانکہ گھر پر وہ کام نہیں ہوتا، وہ دفتر کا کام ہے آپ اس کے گھر پر فون کر کے اس کے آرام میں خلل ڈال رہے ہیں۔ رات بارہ بجے کے بعد فون کر دیا جبکہ وہ سو رہا ہو گا۔

یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ دین کی خبر نہ ہونے سے اس طرح کی لوگوں کو تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ یہ مسلمانوں کی باتیں تھیں۔ مسلمان اس بات کی رعایت رکھا کرتے تھے کہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے لیکن اب مسلمانوں نے تو یہ باتیں چھوڑ دیں، دوسری قوموں نے یہ باتیں حاصل کر لیں۔

وہاں امریکہ میں ہم نے دیکھا کہ کوئی آدمی کسی کے چھٹی کے دن (ویک

اینڈ Week End) میں کسی کام سے متعلق فون نہیں کرتا۔ رشتہ دار آپس میں ملنے جلنے کے متعلق تو فون کریں گے لیکن دفتری کام سے متعلق بات نہیں کریں گے۔

مسلمان ہونے کے ناطے ان باتوں کی رعایت کرنا ہمارے لئے زیادہ ضروری تھا لیکن افسوس کہ ہم نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے معاشرہ کے اندر طرح طرح کے ظلم وجود میں آچکے ہیں۔ اور یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے پر ظلم کریگا، اگر اس نے دنیا میں اُس نے مظلوم سے معافی نہ مانگی یا اس کا حق ادا نہ کیا تو قیامت کے روز اس کا بدلہ چکانا ہوگا اور آخرت میں آدمی کے پاس روپیہ پیسہ تو ہوگا نہیں، وہاں بدلے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اگر اس کے پاس کچھ نیک عمل ہوں گے تو اس کے ظلم کے برابر اس سے نیک عمل لے لئے جائیں گے اور اس شخص کو دے دیئے جائیں گے جس کا حق اس نے مارا تھا۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی یا نیکیاں تھیں مگر حق ادا کرتے کرتے ختم ہوگئیں تو پھر جس کا حق اس پر واجب تھا، اس کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے، لے کر آیا تھا نیکیاں اور اب رہ گئے گناہ۔

بڑے غور کرنے کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے ظلم کرنے سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo
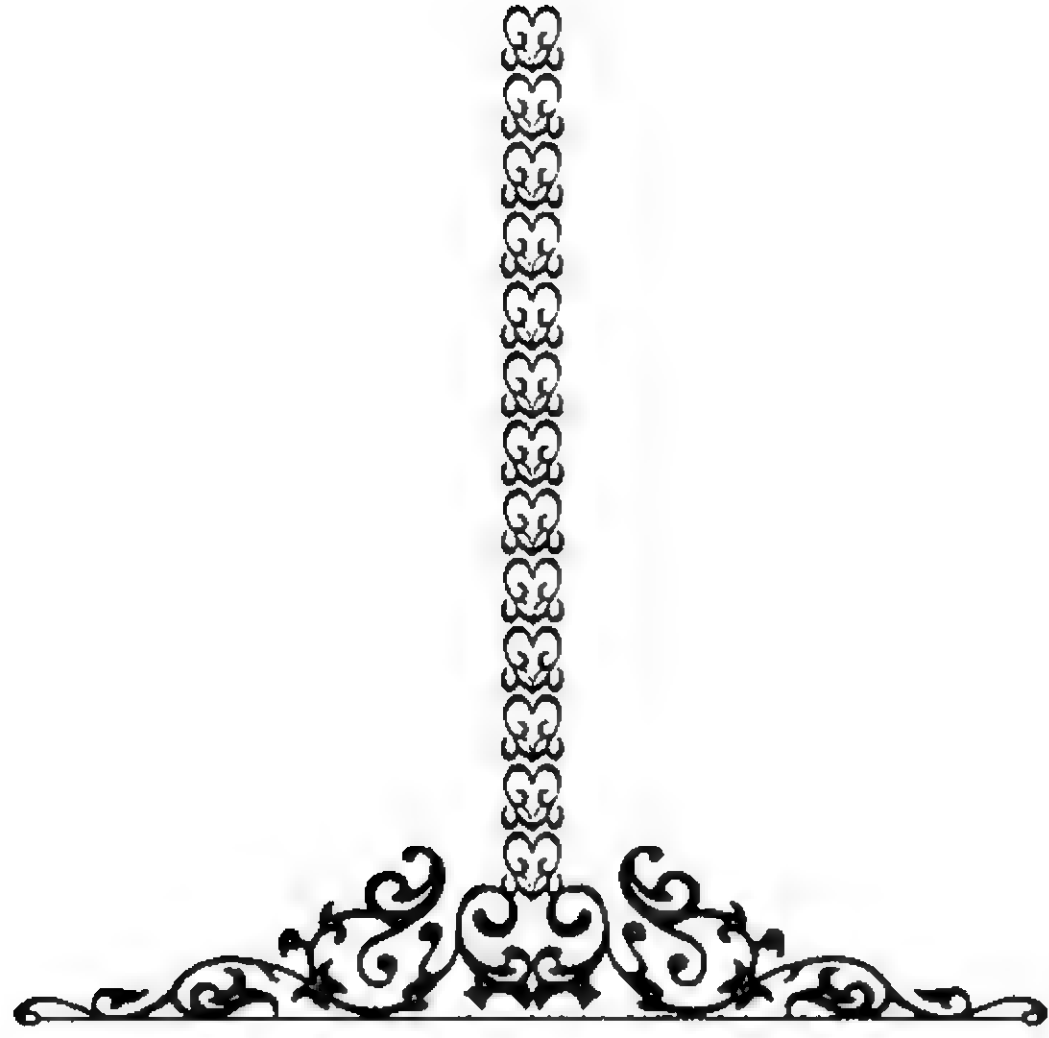
مَاہ ذِی الحجّہ کے فَضَائِل
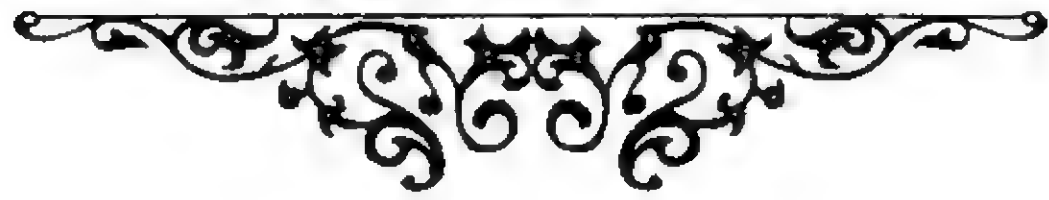
موضوع: ماہ ذی الحجہ کے فضائل

خطاب حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: جمعہ ۳۰ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿ماہ ذی الحجہ کے فضائل﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیمًا کثیراً کثیراً

امابعد!

فأعوذ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم. بسمِ اللّٰہ الرحمن الرحیم.

﴿إنا أعطینک الکوثرo فَصَلِّ لِربِّکَ وَانحرo إن شانِئکَ ھُوَ الأبترo﴾ (سورۃ الکوثر)

ذوالحجہ کی سب سے پہلی فضیلت اس کے نام سے ظاہر ہے:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج ذیقعدہ کی تیس تاریخ ہے۔ ذی الحجہ کا مہینہ کل سے شروع ہو رہا ہے۔ یہ بہت عظیم الشان مہینہ ہے۔ اس کی سب سے پہلی عظمت تو اس کے نام سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اس کا نام ہے ''ذو الحجّة'' یعنی حج والا مہینہ۔ ''حجّة'' بھی عربی زبان میں حج کو کہتے ہیں اور ''ذو'' کے معنی ہیں ''والا'' تو ذوالحجہ کے معنی ہوئے ''حج والا''

یہ حج والا مہینہ ہے کیونکہ اسی مہینے میں اسلام کا عظیم الشان رکن ''حج'' ادا کیا جاتا ہے۔ اور یہ رکن ایسا ہے کہ سال کے کسی اور مہینے میں ادا نہیں ہوسکتا۔ نماز تو ہم ہر روز پڑھتے ہیں، فرض روزے اگرچہ رمضان کے مہینے میں رکھتے ہیں لیکن نفلی روزہ باقی دنوں میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ عیدالفطر اور ایام تشریق کے علاوہ سال بھر میں جب بھی چاہیں روزہ رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کہ جب آدمی کے مال پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا سال گذرنے پر آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ نہ دے سکے تو بعد میں جب دینا چاہے دے سکتا ہے۔ لیکن حج کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا مہینہ بھی مقرر ہے اور دن بھی مقرر ہیں۔ ان دنوں کے علاوہ یہ رکن ادا ہی نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ میں رمضان یا شعبان میں نفلی حج کرلوں تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ صرف انہی دنوں میں حج کا رکن ادا ہوسکتا ہے جو دن اس کیلئے متعین ہیں۔ اس لئے بھی ایام ذی الحجہ کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو یہ شرف بخشا ہے کہ حج جیسی عظیم عبادت صرف اس مہینے میں ادا ہوسکتی ہے کسی اور مہینے میں نہیں ہوسکتی حتیٰ کہ رمضان المبارک کے مہینے میں بھی نہیں ہوسکتی۔

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل:

پھر قرآن واحادیث کے اندر اس کی اور بھی بہت سی فضیلتیں بیان کی گئیں۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿والفجر ٥ وليالٍ عشر ٥ والشفع والوتر ٥ والليل إذا يسر ٥﴾ (الفجر:۱-۴)

''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔''

یہ ''دس راتیں'' کونسی ہیں؟ مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں۔ اللہ رب العالمین نے اِن دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اس سے بھی ذوالحجہ کی پہلی دس راتوں کی عظمت کا انداز ہوتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ابتدائی دس ایام کی عظیم الشان فضلیت بیان کی ہے۔ فرمایا کہ ذوالحجہ کے مہینے سے کوئی مہینہ عبادت کے لئے بہتر نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان بھی اس سے عبادت کے لحاظ سے بہتر نہیں۔ ہاں البتہ اگر اس کے برابر ہو تو اس کا انکار بھی نہیں۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ ان دنوں کی عظمت ایسی ہے جیسا کہ رمضان المبارک کے دنوں کی عظمت ہے۔

ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں دسواں دن تو عید کا ہوتا ہے۔ جس میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ باقی نو دنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں ایک دن کے روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ ایک رات کی عبادت کا ثواب شبِ قدر کے برابر ہے۔[1]

تو یہ شب و روز جو آرہے ہیں، معمولی نہیں ہیں۔ آج مغرب کے وقت سے ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے گا۔ اسلامی کیلنڈر، اسلامی تقویم، اسلامی تاریخ اور اسلامی دن مغرب کے وقت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا غروب آفتاب سے ہی ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے گا تو جو رات آنے والی ہے، اس کا ثواب شبِ قدر کے برابر ہے اور آنے والے

دنوں میں سے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔

ان دنوں میں نفلی روزوں کی بجائے قضا روزے رکھنا بہتر ہے:

الحمدللہ، ان دنوں میں بہت سے مسلمان روزے رکھتے ہیں اور اکثر روزہ رکھنے والے وہ ہوتے ہیں جن کے فرض روزے ادا ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ ان دنوں میں نفلی روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اگر کسی کے ذمہ قضا روزے ہوں تو ان دنوں میں ان کی قضاء کریں۔ عام طور پر عورتوں کے شرعی عذر کی وجہ سے ہر رمضان میں ان کے روزے قضا ہو جاتے ہیں، ان کیلئے بھی قضا روزے رکھنے کا بہترین موقع ہے۔ ان دنوں میں قضاء روزے رکھنے کے دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ رمضان المبارک کے روزوں کی قضا ہو جائے گی، دوسرے ان دنوں کی برکت بھی حاصل ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص پوری عبادت نہ کر سکتا ہو تو............:

جہاں تک رات کو جاگ کر عبادت کرنے کا معاملہ ہے تو افضل تو یہ ہے کہ پوری رات جاگ کر عبادت کی جائے لیکن یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔ اس کی ہمت ہر ایک کو نہیں ہوتی کیونکہ دوسرے کام مثلاً ملازمت، تجارت و دیگر مشاغل میں وقت صرف ہوتا ہے۔ یہ رات مغرب کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص پوری رات نہیں جاگ سکتا تو مغرب سے عشاء تک اور عشاء کے بعد جتنا وقت مل جائے، اس میں جتنی عبادت ہو سکتی ہے کرے، پھر آخر شب میں اٹھ جائے اس میں جتنی عبادت کر سکے کرے۔

اللہ رب العالمین نے اس دین کو اتنا آسان کیا کہ کم ہمت اور کمزور لوگوں کی قدم قدم پر رعایتیں رکھی گئیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ’’اگر کوئی شخص عشاء کی نماز

بھی جماعت سے پڑھے اور پھر فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھے تو اس کو پوری رات کی عبادت کا ثواب مل جاتا ہے۔"[1] اگر کوئی عشاء اور فجر بھی جماعت سے پڑھے اور مزید عبادت بھی کرے تو ظاہر ہے کہ اس کا ثواب اور بڑھ جائے گا، جتنا گڑ ڈالے گا، اتنا میٹھا ہو جائے گا لیکن اگر کوئی کم ہمت ہے تو وہ صرف عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے تو اس کے لئے بھی محرومی نہیں رکھی گئی بلکہ اُسے بھی پوری رات کی عبادت کرنے کا ثواب عطا کیا گیا۔

ان راتوں میں گناہوں کا وبال بھی زیادہ ہے:

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ ان راتوں میں اگر عبادت کا ثواب زیادہ ہے تو گناہوں کا وبال بھی زیادہ ہے، کیونکہ یہ ضابطہ ہے کہ جس جگہ پر اور جس وقت میں عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اس جگہ پر اور اس وقت میں اگر گناہ کیا جائے تو اس کا وبال بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایک شخص اگر مسجد سے باہر جھوٹ بولتا ہے یا غیبت کرتا ہے تو بلاشبہ یہ گناہ کبیرہ اور سنگین جرم ہے لیکن یہی کام اگر وہ مسجد میں کرے گا تو جرم اور بڑھ جائے گا اور مسجد حرام میں گناہ کریگا تو اور سنگین ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عام دنوں میں گناہ کرتا ہے تو وہ بھی گناہ ہے لیکن اگر ان راتوں میں گناہ کرے گا تو بہت سنگین ہوگا۔

دو کام ضرور کریں:

لہٰذا ان راتوں میں اگر کسی شخص کو بہت زیادہ عبادت کرنے کی توفیق نہیں ہو رہی یا ہمت و طاقت نہیں یا مصروفیت ہے تو وہ دو کام ضرور کرے۔

۱۔ عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے۔

۲۔ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے، آنکھوں کو آنکھ کے گناہ سے بچائے۔ کانوں کو کان کے گناہوں سے بچائے، زبان کو زبان کے گناہوں سے بچائے، ہاتھوں کو ہاتھ کے گناہوں سے بچائے، پاؤں کو پاؤں کے گناہوں سے بچائے اور دل کو دل کے گناہوں سے بچائے، اپنے اوپر کڑی نظر رکھے کہ کہیں اس سے کوئی گناہ ہونے نہ پائے۔

اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے امید ہے کہ اگر کوئی شخص ان دس دنوں اور راتوں میں ان دو کاموں کا اہتمام کرے گا تو وہ عظیم الشان کمائی کرے گا۔ پوری دس راتوں کی عبادت کا ثواب ملے گا اور اگر پوری رات عبادت کرے گا تو ہر رات میں شب قدر کا ثواب ملے گا اور اگر ان دنوں میں روزے بھی رکھ لے تو ایک روزے کے بدلے پورے ایک سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

یوم عرفہ کی خاص فضیلت:

پھر ان دنوں میں عرفہ کے دن[1] کی فضیلت اور زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عرفہ کا روزہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا بھی کفارہ بن جاتا ہے اور اگلے ایک سال کے گناہوں کا بھی کفارہ بن جاتا ہے۔ نویں اور دسویں ذی الحجہ کی درمیانی رات جس کے بعد عیدالاضحیٰ کا دن آتا ہے۔ احادیث کے اندر اس کی بھی عظیم الشان فضیلت بیان ہوئی ہے۔

ذکر اللہ اور صدقات کا بھی اہتمام کیا جائے:

تو ان دنوں اور راتوں کو بڑی اہمیت اور قدر کے ساتھ گذارنا چاہیے۔ نماز،

---

[1] نویں ذی الحجہ کے دن کو عرفہ کا دن کہا جاتا ہے۔ م

روزہ کے علاوہ صدقہ وخیرات کی کوشش کرنی چاہیے، اوران کے علاوہ ذکر اللہ کا بھی خوب اہتمام کرنا چاہیے۔ چلتے پھرتے بھی اللہ کا ذکر ہوسکتا ہے۔ بس میں جارہے ہیں، گاڑی میں سفر کررہے ہیں، سائیکل یا موٹرسائیکل پر سوار ہیں تو اس وقت ذکر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً لاالٰہ اِلّا اللّٰہ، لاالٰہ اِلّا اللّٰہ کہتے رہیں، درود شریف پڑھتے رہیں یا استغفر اللہ، استغفر اللہ کہہ سکتے ہیں۔

ایک مومن کو اپنا وقت بیکار نہیں جانے دینا چاہیے۔ آپ پڑھنے جارہے ہیں یا پڑھانے جارہے ہیں، ملازمت پر جارہے ہیں یا دکان پر جارہے ہیں، کسی بھی کام سے جارہے ہیں، چلتے چلتے اگر لاالٰہ اِلاّ اللّٰہ کہتے ہیں تو اس میں آپ کی نہ کوئی محنت خرچ ہوگی، نہ پیسہ خرچ ہوگا اور نہ کوئی وقت خرچ ہوگا لیکن آپ عظیم الشان کمائی کرلیں گے، اللہ کے ہاں ذکر کی بہت بڑی قدر وقیمت ہے۔ اس کے بہت زیادہ فضائل قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اگر اور کچھ یاد نہیں آتا تو ''اللہ اللہ'' کہتے رہیں۔

یہ تو خیر ذوالحجہ کی راتوں کا بیان ہے، ویسے بھی اگر آدمی قدر پہنچانیں تو ہر رات شب قدر ہے۔ جو آدمی اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا رہتا ہے۔ پھر اس کی برکت سے یہ ہوتا ہے کہ عبادتوں میں مزہ آنے لگتا ہے، گناہوں سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

گناہ مزے کی چیز نہیں:

اصل بات یہ ہے کہ گناہ کوئی مزے کی چیز نہیں۔ اگر آدمی کو یہ ڈر لگا ہو کہ میں جو گناہ کررہا ہوں، اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اس پر مجھے عذاب ہوگا تو اُسے گناہ کرتے ہوئے مزہ آسکتا ہے؟ اگر آپ پولیس کی تحویل میں ہیں اور آپ کے سامنے کھانا رکھا ہوا

ہے لیکن پولیس والے نے ہاتھ میں ڈنڈا اٹھا رکھا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر تم نے یہ کھانا کھایا تو تمہاری پٹائی ہوگی تو بتایئے کہ اس کھانے میں مزہ آئے گا۔ گناہوں کا یہی معاملہ ہے کہ اگر گناہ کرے گا تو آخرت کی پٹائی کا سامنا کرنا ہوگا۔

اور پھر اللہ رب العزت کا خاص احسان یہ ہے کہ اس نے ہمارے لئے حلال راستے بے شمار کھول رکھے ہیں۔ ہر لذت اور ہر راحت و آرام کے لئے حلال راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اب شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ انہی حلال راستوں کو اختیار کیا جائے اور حرام کاموں سے بچا جائے اور نہ بچے تو پھر عذاب کیلئے تیار رہیں اور جس گناہ کے پیچھے عذاب ہو، اس میں لذت کہاں ہوگی۔

تو گناہ لذت کی چیز نہیں ہے، لذت کی چیز تو عبادت ہے۔ جب آدمی کے دل میں اللہ رب العزت کی عظمت سما جاتی ہے تو اُسے اللہ کے ذکر میں اتنا مزہ آتا ہے کہ کسی اور چیز میں اتنا مزہ نہیں آتا۔ اور گناہوں سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ یہ تصور ذہن میں آتا ہے کہ یہ میرے محسن اور پروردگار کی نافرمانی ہے۔ وہ میرا اتنا محسن ہے، میں اس کی نافرنی کیسے کروں۔ یہ بڑی رذالت اور کمینگی ہے اور نافرمانی بھی انہی چیزوں کے ذریعے سے کروں جو اس کی دی ہوئی ہیں، کیسی بڑی رذالت کی بات ہے۔

گناہ میں مزہ آنے کی مثال:

گناہ میں مزہ دل کی خرابی کی وجہ سے آتا ہے۔ جب دل بگڑ جاتا ہے تو اللہ سے بے خوفی، اللہ کی عظمت کی کمی، اللہ سے محبت کی کمی ہو جاتی ہے، یوم آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے تو پھر عبادت مشکل نظر آتی ہے، گناہ آسان نظر آتے ہیں اور گناہوں میں مزہ آنے لگتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ گناہوں میں مزہ آنا ایسا ہی ہے جیسے کسی خارش کے بیمار کو کھجانے میں مزہ آتا ہے۔ خارش کے مریض کو کسی چیز میں اتنا مزہ نہیں آتا

جتنا کھجانے میں آتا ہے، مثل مشہور ہے کہ

''جومزا ہے کھاج میں، نہیں ہے وہ راج میں''

''کھاج'' کہتے ہیں ''کھجانے'' کو۔ مطلب یہ ہے کہ کھجانے میں جو مزہ ہے، بادشاہت میں بھی وہ مزہ نہیں۔ لیکن کھجانے سے جو مزہ آرہا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھجانا واقعی مزے کی چیز ہے بلکہ یہ اس وجہ سے آرہا ہے کہ جسم کا خون خراب ہو گیا ہے۔ خون کی خرابی کی وجہ سے اُس چیز میں مزہ آنے لگا تو درحقیقت مزے کی چیز نہیں تھی بلکہ تکلیف کی چیز تھی۔ آدمی کھجاتے کھجاتے اپنے آپ کو زخمی کر لیتا ہے، سوتے سوتے نیند اڑ جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ کھجار رہا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ خون خراب ہو گیا۔ بالکل یہی بات گناہوں کی ہے۔

اور یہ انسان کے لئے بڑی بدبختی کی بات ہے کہ اُسے گناہوں میں مزہ آنے لگے اور ان کی طرف اس کی رغبت بڑھتی چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

ذوالحجہ کی ایک اور خاص فضیلت:

ایک عظیم الشان عبادت اور بھی اس ماہ ذی الحجہ کے اندر پائی جاتی ہے۔ جسے قربانی کی عبادت کہتے ہیں۔ اس عبادت کی بھی خاصیت یہ ہے کہ انہی مخصوص دنوں میں عبادت ہے، باقی دنوں میں عبادت نہیں۔ بقرعید کے دن (دس ذی الحجہ) گیارہ اور بارہ ذوالحجہ تین دن عبادت کے ہیں۔ ان سے ایک دن پہلے تک اور بارہ ذی الحجہ کے بعد پورے سال میں جانور قربان کرنا عبادت نہیں۔ عقیقہ کے موقع پر جانور ذبح کرنا عبادت نہیں ہے برکت کی چیز ہے، کرلیں تو بہتر ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ عبادت نہیں۔ عبادت صرف انہی تین دنوں میں ہوتی ہے۔ واجب قربانی ہو یا نفلی صرف انہی تین دنوں

میں ہوسکتی ہے۔ باقی دنوں میں آپ جانور ذبح کر کے کھا سکتے ہیں لیکن وہ قربانی اور عبادت نہیں بنے گی۔

قربانی کا حکم کسی اور طریقے سے پورا نہیں ہوتا:

اور جس شخص پر قربانی واجب ہو، اس کا یہ واجب قربانی کرنے کے علاوہ کسی اور طریقے سے ادا نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں قربانی تو نہیں کرتا لیکن جتنے میں جانور خریدنا تھا، اتنے پیسوں کا صدقہ کردیتا ہوں تو اس سے اس کا واجب ادا نہیں ہوگا، عمر بھر اس کا گناہ رہے گا۔ جس طرح نماز پڑھنے سے روزہ ادا نہیں ہوتا اور روزے کے عوض میں نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اسی طرح قربانی کے عوض میں صدقہ نہیں ہوسکتا۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟ اس کے بارے چند بنیادی مسائل سمجھ لیجئے۔

۱۔ نابالغ پر قربانی واجب نہیں۔

۲۔ مجنون یعنی وہ شخص جو دماغ سے معذور ہے، اس پر بھی قربانی واجب نہیں، چاہے کروڑ پتی انسان ہو۔

۳۔ مسافر پر بھی قربانی نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص شرعی قاعدے کے مطابق مسافر ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار ہو۔ مثلاً کوئی شخص لاہور سے کراچی آیا ہوا ہے اور اس کا ارادہ کراچی میں پندرہ دن قیام کرنے کا نہیں ہے تو وہ مسافر ہے، اس پر قربانی واجب نہیں۔

قربانی ایسے عاقل، بالغ اور مقیم مسلمان پر واجب ہے، جس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس سے وہ صاحبِ نصاب کہلائے تو اس پر قربانی واجب ہوگی خواہ وہ مرد ہو یا

عورت۔ دو میاں بیوی ہیں، دونوں کی ملکیت میں اگر اتنا اتنا مال ہے جو نصاب کے برابر بنتا ہے تو میاں پر بھی قربانی واجب ہے، بیوی پر بھی قربانی واجب ہے۔ اگر کسی گھر میں میاں بیوی بھی رہتے ہیں اور ان کی بالغ اولاد بھی ہے اور بالغ اولاد کے پاس بھی نصاب کے بقدر مال ہے تو ان پر بھی قربانی واجب ہوگی۔ بیٹے ہوں تو ان پر قربانی واجب ہوگی اور بیٹیاں ہونگی تو ان پر بھی واجب ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔ لہٰذا اگر سب میں قربانی واجب ہونے کی شرطیں پائی جارہی ہیں تو سب پر قربانی واجب ہے، ورنہ جتنوں کے اندر شرائط پائی جارہی ہیں، ان پر قربانی واجب ہوگی، باقی پر نہیں۔

قربانی کا نصاب:

نصاب کیا ہے؟ قربانی کا نصاب ساڑھے باون تولے چاندی ہے۔ اگر کسی کے پاس اتنی مقدار چاندی ہو یا اتنی چاندی کی قیمت کے بقدر نقد رقم ہو یا اتنی قیمت کا سامان تجارت ہو یا اتنی قیمت کا سونا ہو یا اتنی قیمت کا گھر میں ایسا زائد سامان ہو جو استعمال میں نہیں آتا تو اس پر قربانی واجب ہے۔ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت آج کل تقریباً چھ ہزار روپے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس کی ملکیت میں تقریباً چھ ہزار روپے یا اس قیمت کا سامان مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ہے اور وہ بانابلغ مجنون اور مسافر بھی نہیں تو اس پر قربانی واجب ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بیٹا ہو یا بیٹی۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر گھر میں صرف ایک آدمی نے قربانی کرلی تو سب کی طرف سے ہوگئی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہوگی۔ اگر کسی نے قربانی واجب ہونے کے باوجود قربانی نہ کی تو وہ گنہگار ہوگا۔ اب اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ قربانی کی قیمت کے بقدر رقم فقراء اور مساکین پر صدقہ کردے اور اپنی

اس کوتاہی پر توبہ واستغفار بھی کرے۔

قربانی کے جانور کی شرائط:

بکرا، دنبہ اور بھیڑ ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کیا جا سکتا ہے جبکہ گائے، بھینس، بیل اور اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہیں بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو۔ اگر کوئی شریک اس نیت سے شامل ہوا کہ چلو گوشت مل جائے گا، مزے سے کھائیں گے، اس کی قربانی کی نیت نہیں تھی تو پھر کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔

بکرا اور بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے، بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو وہ بھی جائز ہے۔ بیل، گائے اور بھینس دو سال کی جبکہ اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ جس شخص سے آپ جانور خرید رہے ہیں اگر وہ اس کی پوری عمر بتاتا ہے اور ظاہری حالات سے بھی اس کی تکذیب نہیں ہوتی تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں یا بیچ میں سے ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست ہے لیکن اگر سینگ جڑ سے اکھڑ گیا جس کی وجہ سے دماغ پر لازمی اثر پڑتا ہے تو پھر اس کی قربانی جائز نہیں۔ اندھے، کانے اور لنگڑے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں سے نہ جا سکے، اس کی قربانی بھی جائز نہیں، جس جانور کی تہائی سے زیادہ دم کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی بھی جائز نہیں، جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں، اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر نہ ہوں اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

اگر ایک شخص نے صحیح سالم جانور خریدا لیکن قربان کرنے سے پہلے اس کے اندر کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جسکے پائے جانے کی صورت میں قربانی جائز نہیں ہوتی تو اب

دیکھا جائے گا کہ اگر اس جانور کو خریدنے والا شخص ایسا ہے کہ اس پر شرعاً قربانی واجب ہے تو اس پر لازم ہوگا کہ اس کے بدلے دوسرے صحیح سالم جانور کی قربانی کرے اور اگر اس جانور کا مالک غریب آدمی تھا اور اس پر قربانی واجب نہ تھی لیکن اس نے اپنے شوق سے قربانی کے لئے جانور خریدا تھا تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے۔

قربانی کے جانور کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے لیکن اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسروں سے ذبح کرا سکتا ہے مگر ذبح کے وقت خود وہاں حاضر رہنا افضل ہے۔

قربانی کی نیت و دعا:

قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں البتہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ سنت یہ ہے کہ جب جانور کو ذبح کرنے کیلئے قبلہ رو کر کے لٹائے تو یہ دُعا پڑھے۔

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (سورۃ الانعام:۷۹)

''میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

﴿إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝﴾ (سورۃ الانعام:۱۶۲)

''بلاشبہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔''

اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

﴿اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَخَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَام o﴾

''اے اللہ! آپ یہ قربانی میری طرف سے قبول فرمالیجئے جس طرح آپ نے اپنے محبوب محمد ﷺ اور اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کی طرف سے قبول کی۔''

گوشت کا حکم:

جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں تو وہاں گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے، محض اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کیلئے رکھے، ایک حصہ اعزہ واحباب میں تقسیم کرے اور تیسرا حصہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرے، البتہ جس شخص کے اہل وعیال زیادہ ہوں وہ سارا گوشت بھی رکھ سکتا ہے لیکن قربانی کا گوشت بیچنا جائز نہیں۔

قربانی کی کھال کے احکام:

قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اسے اپنے استعمال میں لانا مثلاً مصلی بنالینا یا کوئی ڈول وغیرہ بنوالینا جائز ہے لیکن اگر فروخت کردی تو پھر اس کی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور اس صدقے کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔

قربانی کی کھال کسی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں۔ لہٰذا مسجد کے مؤذن یا امام وغیرہ کے حق الخدمت کے طور پر ان کو کھال دینا جائز نہیں۔ اسی طرح جانور

ذبح کرنے والے کی اجرت میں بھی کھال دینا جائز نہیں۔

عصرِ حاضر میں مدارس اسلامیہ کے غریب ونادار طلبہ اِن کھالوں کا بہترین مصرف ہیں کیونکہ اس میں صدقے کا ثواب بھی ملتا ہے اور دین کی اشاعت کا ثواب بھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عشرہ ذی الحجہ کی برکتوں سے مالا مال ہونے کی توفیق نصیب فرمائے اور قربانی کا فریضہ سرانجام دینے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین٥

عُہدے کا ھدِیہ
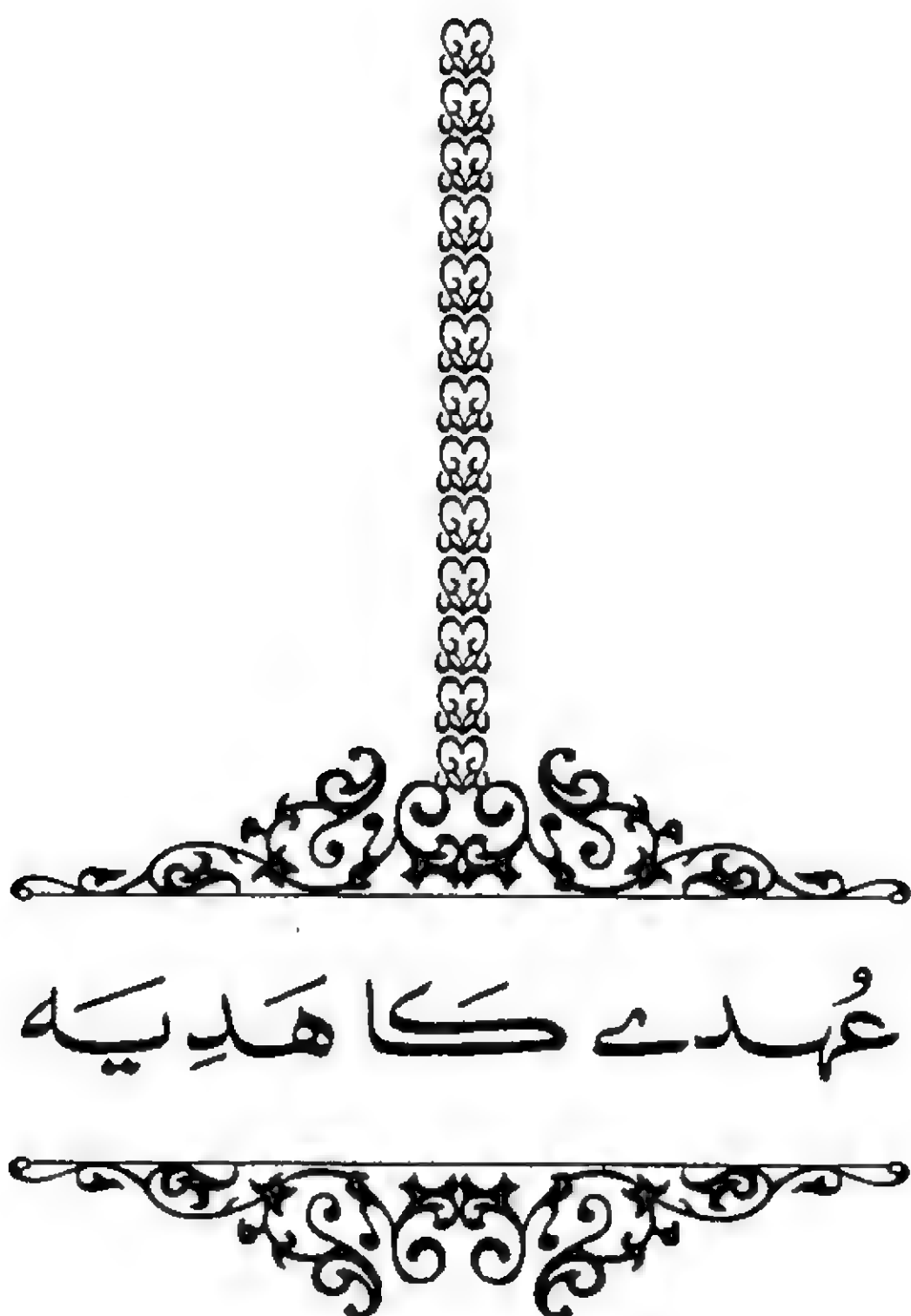
موضوع: عہدے کا ہدیہ

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: ۳ مارچ ۱۴۲۵ء

ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

عہدے کا ہدیہ

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ. صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ وصحبهٖ اجمعين وسلم تسليماً كثيراً.

امابعد!

عن ابى حميد عبدالرحمن ابن ساعد الساعدى رضى الله تعالٰى عنه استعمل النبى صلى الله عليه وسلم رجلاً من الأزد على الزكوة يقال لهٗ ابن اللتبيه فلما قدم قال هذا لكم وهذا اُهدى لى فقام

رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر فحمد الله واثنا عليه ثم قال: امّا بعد فانى استعمل الرجل منكم على العمل مماولاني الله، فياتى ويقول: هذا لكم وهذه هدية أهديت الى أفلا حبس في بيت أبيه أو أمه حتى تاتيه هديته إن كان صادقاً.٥

(متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین ص ۱۲۶)

ترجمہ حدیث:

ابو حمید عبدالرحمٰن بن ساعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک آدمی کو صدقہ کی وصولیابی کیلئے عامل مقرر فرمایا۔ اس کا نام ابن اللتبیہ تھا۔ جب وہ واپس آئے تو کچھ مال کے بارے میں فرمایا کہ یہ تمہارا (یعنی مسلمانوں کا) ہے اور کچھ مال کے بارے میں کہا کہ یہ مجھے تحفے میں ملا ہے تو آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوگئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: اما بعد: میں تم میں سے کسی شخص کو اہلکار مقرر کرتا ہوں کسی کام کیلئے ان کاموں میں سے جن کی ولایت اللہ نے مجھے دی ہے۔ پھر وہ آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں دیا گیا۔ تو پھر وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھ جاتا تاکہ اگر وہ سچا ہے تو اُسے وہیں پر یہ تحفہ مل جاتا۔

مضمونِ حدیث:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

جو حدیث میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے۔ یہ ہماری زندگی

کے متعلق بہت اہم ہدایات پر مشتمل ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے والے صحابی ابو حمید عبدالرحمٰن بن ساعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

جنابِ رسول اللہ ﷺ کے دور میں زکوٰۃ حکومت کے زیر انتظام وصول کی جاتی تھی۔ بعد میں بھی کافی عرصہ تک اسلامی حکومتیں زکوٰۃ وصول کرتی رہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ میں سربراہ حکومت بھی تھے۔ چنانچہ آپ مختلف صحابہ کو مختلف قبائل کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے عامل بنا کر بھیجا کرتے تھے اور پھر وہ زکوٰۃ شرعی قانون اور ضابطے کے مطابق شرعی مصارف پر خرچ کی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ابن اللتبیہؓ کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے افسر مقرر کر کے بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو کچھ مال کے بارے میں فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے یعنی یہ حکومت اسلامی کے زیر انتظام آئے گا اور شرعی مصارف پر خرچ ہوگا اور کچھ مال کے بارے میں کہا کہ یہ مجھے تحفے میں ملا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو ان کی یہ بات ناگوار گذری۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ میں تم میں سے کسی شخص کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے عامل مقرر کرتا ہوں لیکن جب وہ واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ فلاں مال مسلمانوں کے لئے ہے اور فلاں مجھے تحفہ میں دیا گیا۔ اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تو پھر وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر جا کر کیوں نہیں بیٹھ جاتا۔

یعنی اگر وہ اپنی اس بات میں سچا ہے تو پھر افسر بننے کے بجائے اپنے گھر میں بیٹھا رہتا۔ اگر اس قبیلے کے لوگ اس کی ذات سے محبت کرنے والے ہوتے تو اُسے اُسکے گھر آ کر تحفہ دے جاتے اور اس صورت میں جو کوئی تحفہ لا کر دے گا تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ اُس کو تحفہ میں ملا ہے۔ لیکن اب جو افسر بن کر گئے اور وہاں سے تحفے ملے تو اس کے لئے انکا لینا کسی طرح جائز نہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

﴿واللّٰہِ لایأخذاحدٌ منکم شیئاً بغیر حقّہٖ اِلا لقی اللّٰہ تعالٰی یحملہ یوم القیمۃ o﴾

''بخدا تم میں سے کوئی آدمی کوئی چیز بغیر حق کے نہیں لے گا مگر یہ کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اُس چیز کو اس نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہوگا۔''

یعنی جس چیز کو بھی وہ بغیر حق کے کسی سے لے گا، وہ چیز اس پر قیامت کے دن لدی ہوگی۔ اس بات کی مزید تفصیل ارشاد فرمائے ہوئے کہا:

﴿فلاأعرفَنّ أَحَدَکُم لَقِی اللّٰہَ یَحمل بعیراً لہٗ رُغاء أوبقرۃلہٗ خوارٌ أوشاۃ تیعر﴾

''ایسا نہ ہو کہ آخرت میں تم میں سے کسی کو پہنچانو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے کہ اس نے اپنے اوپر اونٹ کو اٹھا رکھا ہو اور اونٹ اپنی آوازیں نکال رہا ہو یا گائے کو اپنے اوپر اٹھا رکھا ہوگا اور وہ بھی آواز نکال رہی ہو یا بکری کو اٹھا رکھا ہو اور وہ مَیں مَیں کر رہی ہو۔''

دنیا میں جو مال ناجائز طریقے سے آئے گا، آخرت میں سر پر لدا ہوگا:

اس زمانے میں جب عاملین زکوٰۃ وصول کرنے جایا کرتے تو جانوروں کی زکوٰۃ جانوروں کی شکل میں ملتی تھی۔ یہ اصول مقرر تھا کہ مثلاً اتنے اونٹوں پر اتنی عمر کا ایک اونٹ لیا جائے گا اور بکریاں اتنی تعداد میں ہوں گی تو اس میں اتنی بکریاں زکوٰۃ کے طور پر لی جائیں گی۔

عرب میں عام طور پر گلہ بانی کا رواج تھا۔ لوگوں کے پاس جانور بہت ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے جانوروں کی شکل میں زکوٰۃ وصول ہوتی تھی۔ زکوٰۃ میں اونٹ بھی آتے تھے، بکریاں بھی ملتی تھیں، دنبے بھی آتے تھے اور مینڈھے بھی آتے تھے اور گائے بھینس بھی آتی تھیں۔

تو آپ نے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخرت میں تم اللہ سے اس حال میں ملو کہ تمہارے اوپر اونٹ، گائے اور بکری سوار ہو۔ کہاں تو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اونٹ اس لئے بنایا تھا کہ تم اس پر سواری کرتے لیکن اگر وہ اونٹ تم نے دنیا میں ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا مثلاً چوری سے لیا تھا، رشوت کے طور پر لیا تھا تو آخرت میں یہ اونٹ تمہارے اوپر سوار ہوگا۔

اور یہ بات صرف اونٹ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی جانور ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا تو وہ بھی اوپر سوار ہوگا بلکہ یہ بات صرف جانوروں کے ساتھ بھی خاص نہیں بلکہ کسی بھی شخص نے دنیا میں کوئی بھی مال ناجائز طریقے سے لیا تو آخرت میں جب میدانِ حساب میں آئے گا تو وہ مال اس پر لدا ہوا ہوگا۔ اگر وہ گندم کی بوریاں ہیں تو وہ لدی ہوئی ہونگی اور اگر وہ سو بوریاں ہیں تو سو کی سو لدی ہوئی ہونگی اور اگر وہ مکان یا زمین ہے تو وہ لدی ہوئی ہوگی۔

تو اس حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ دنیا میں کوئی بھی شخص اگر کسی کا مال ناجائز طریقے سے لے گا تو آخرت میں وہ مال اس کے لئے وبال جان بنے گا اور اس مال کے ذریعے سے اس کو عذاب دیا جائے گا۔

یہ حدیث ارشاد فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالئے اور فرمایا:

﴿اللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ۝﴾

''اے اللہ! کیا میں نے (آپ کا پیغام) پہنچادیا۔''

گویا آپ نے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنالیا۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف خیرخواہی کے ساتھ پہنچادینا ہے۔ عمل کرنا امت کی ذمہ داری ہے۔

ہدیہ لینا دینا مستحب ہے:

ابن اللتبیہ کا جو واقعہ میں نے ابھی بیان کیا، یہ ایک اہم واقعہ ہے۔ اس سے شریعت کا ایک اہم قانون سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ اگر تحفہ واقعۃً تحفہ اور ہدیہ ہے تو وہ بڑی اچھی چیز ہے۔ ہدیے اور تحفے کا دینا بھی مستحب ہے اور قبول کرنا بھی مستحب ہے، دونوں کام سنت سے ثابت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو ہدایا دیا بھی کرتے تھے اور اگر کوئی آپ کو ہدیہ پیش کرتا تو آپ اُسے قبول بھی فرمالیا کرتے تھے۔ بشرطیکہ وہ ہدیہ جائز طریقے سے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ لینے اور دینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ '' آپس میں ایک دوسرے کو ہدایا لیا دیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے۔'' اور ایک مرتبہ فرمایا کہ '' اگر تمہیں کوئی شخص ہدیہ دے تو چاہے وہ کتنا ہی معمولی سا ہو تو اُسے حقیر سمجھ کر لوٹا نہ دے بلکہ اُسے قبول کرلے۔''

عہدے کی وجہ سے ملنے والا ہدیہ رشوت ہے:

لیکن ہدیے کے یہ سارے فضائل اس وقت تک ہیں جبکہ وہ واقعۃً ہدیہ ہو۔ اس حدیث سے ہدیے کا یہ قانون سامنے آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی ہدیہ اُس کے عہدے کی وجہ سے ملا ہو تو وہ ہدیہ نہیں بلکہ رشوت ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔ ابن اللتبیہ کو یہ تحفہ وہاں سے ملا تھا جہاں سے وہ زکوٰۃ وصول کرنے گئے اور ظاہر ہے کہ وہاں

کے لوگ ان کو جاننے والے نہیں تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ رشتہ داروں نے یا پرانے دوستوں نے تحفہ دے دیا تھا۔ بلکہ زکوٰۃ کی وصولی کیلئے افسر بن کر گئے تھے تو کچھ لوگوں نے انہیں یہ چیزیں دیں، تحفہ ہی کہہ کر دی ہوں گی، ہدیہ ہی کہہ کر دی ہوں گی لیکن یہ دینا سابقہ دوستی اور تعلقات کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ اس بنیاد پر تھا کہ یہ ایک افسر ہیں اور جو تحفہ عہدے کی بنیاد پر ملے، اس کے بارے میں فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ یہ رشوت ہے۔

کونسا تحفہ عہدے کی بنیاد پر ہوتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے پتہ چلے کہ کونسا تحفہ عہدے کی بنیاد پر ملا ہے اور کونسا تحفہ ذاتی تعلقات کی بنیاد پر ملا ہے۔

اس کی پہچان بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ کو کسی محکمے میں افسر مقرر کیا گیا۔ افسر بننے سے پہلے آپ کے کچھ لوگوں کے ساتھ ایسے تعلقات اور مراسم تھے کہ وہ آپ کو تحفے دیا کرتے تھے، دوست تھے، پڑوسی تھے، آپ کے رشتہ دار تھے یا آپ کے عقیدت مند تھے، اگر وہی لوگ عہدے کے بعد بھی آپ کو ہدیہ دیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ہدیہ عہدے کی وجہ سے نہیں بلکہ ذاتی تعلقات کی وجہ سے ہے۔ اور اگر تحفہ دینے والے نئے آ گئے ہیں جو پہلے موجود نہ تھے۔ جب سے صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر بنے ہیں تو کوئی ٹیپ ریکارڈ لے کر آ رہا ہے، کوئی ٹیلی ویژن لے کر آ رہا ہے کوئی فریج لے کر آ رہا ہے اور کوئی اے سی لے کر آ رہا ہے۔ اب یہ جو تحفوں کی بہتات شروع ہوئی ہے تو یہ تحفے نہیں جہنم کے انگارے ہیں کیونکہ یہ رشوت ہے۔

کاروں کی لمبی قطار:

ہمارے پاکستان آج کل رشوت جو بڑے پیمانے پر لی اور دی جاتی ہے، وہ

عام طور پر تحفوں ہی کے نام سے دی جاتی ہے۔ ایک بہت بڑے افسر تھے۔ کروڑوں کے ٹھیکے منظور کیا کرتے تھے۔ جب ان کی صاحبزادی کی شادی ہوئی تو معلوم ہوا کہ نئی کاروں کی ایک لائن لگی ہوئی تھی۔ کوئی مرسیڈیز لایا تھا کوئی ٹویوٹا لایا تھا اور کوئی دوسری کار لایا تھا۔ اعلیٰ درجے کی شاندار کاریں تھیں لیکن یہ سب حرام مال تھا کیونکہ یہ عہدے کی وجہ سے آیا ہے۔ چنانچہ وہ صاحب اب بھی زندہ ہیں لیکن اب ان کے ہاں وہ تحفے نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ ایسی کار سے پناہ میں رکھے۔ دنیا کی زندگی تو ہر حال میں گذر جائے گی، کسی کو کار مل بھی گئی تو اُسے وہ کتنے دن استعمال کرے گا۔ آخرت میں وہ کندھے پر اٹھانی پڑے گی۔ دنیا میں تم اس پر سواری کرو گے، آخرت میں وہ تم پر سوار ہوگی اور جتنی بڑی کار ہوگی، اتنا ہی اس کا بوجھ زیادہ ہوگا۔

عہدے کے سارے تحفے گھر گھر جا کر واپس کیے:

ہمارے ایک دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے۔ بڑی محبت کرنے والے دوست ہیں۔ وہ ایک زمانے میں بڑے بڑے عہدوں پر رہے۔ آخر زمانے میں ڈپٹی کمشنر بنے۔ ہمارے بے تکلف دوست تھے۔ ویسے تو میں ان کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ ہماری دعوت کیا کرتے تھے اور ہم ان کی دعوت کیا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ ڈپٹی کمشنر ہو گئے تو اس زمانے میں میری مصروفیات کچھ ایسی رہیں اور کچھ میرا دل بھی نہ چاہا جس کی وجہ سے نہ ان کے گھر جانا ہوا اور نہ ان کے دفتر جانا ہوا۔ البتہ وہ آجاتے تھے اور بعض مسائل میں مشورہ بھی کرتے تھے۔

ایک دن انکا بیٹا مجھ سے ملا۔ وہ بڑا نیک لڑکا تھا۔ ماشاء اللہ ہمارے دوست بھی بڑے نیک تھے۔ بیٹا کہنے لگا کہ ہمارے ابا جان کے پاس آج کل تحفے بہت آرہے

ہیں۔ کوئی فریج لے آتا ہے، کوئی ایرکنڈیشنر لے آتا ہے۔ کوئی فرنیچر لے آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تحفے پہلے تو نہیں آتے تھے، آج کل آرہے ہیں۔ آپ ذرا ان کو سمجھائیں۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ انشاء اللہ میں انہیں سمجھاؤں گا۔

اُسی زمانے میں ان کا تبادلہ ہوگیا۔ تو اُس وقت پھر ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ جو تحفے وغیرہ آئے ہیں۔ ذرا ان کا خیال کرلیں۔ حیران ہوکر پوچھنے لگے کہ کیا مطلب؟ میں نے کہا کہ یہ سب تحفے رشوت ہیں اور حرام ہیں۔ انہیں بڑی فکر ہوئی۔ انہوں نے تحفوں کا سارا سامان لوگوں کو گھر گھر جاکر واپس کیا۔ بعض لوگ ایسے تھے جو اپنا گھر چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہوگئے تھے، تو تلاش کرکے ان کے نئے گھروں تک پہنچتے۔ بعض لوگ فوت ہوچکے تھے تو ان کے وارثوں کو یہ سامان پہنچاتے۔ یہ ان کے کمالِ تقویٰ کی علامت ہے۔ اس کے تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عذاب سے بچالیا۔

عہدے کا تحفہ مدرسوں میں بھی ہوسکتا ہے:

یاد رکھئے کہ مدرسوں کے اندر عہدوں کی وجہ سے تحفے ملنے کا سلسلہ ہوسکتا ہے۔ اگرچہ مدرسوں کے اندر کوئی افسری اور عہدے نہیں ہیں لیکن ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی تنظیم یا استاد کو اپنے ذاتی مقصد کیلئے تحفہ دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ طلبہ کی ایک ضرورت اساتذہ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ امتحان میں پاس یا فیل کرنا استاد کا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض مرتبہ داخلے کے اندر رعایت کرنا یا نہ کرنا استادوں کا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح مہتمم کے بھی کچھ اختیارات ہوتے ہیں۔ ملازمین کا عزل ونصب اور ان کی ترقی وتنزلی کا کام مہتمم کرتا ہے۔ پھر اس کے ٹھیکے داروں کے ساتھ بھی معاملات ہوتے ہیں۔ ان سارے معاملات میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ کوئی ہدیہ دینے والا اپنی ذاتی غرض کی وجہ سے ہدیہ

دے رہا ہو۔ اس لئے اس سلسلے میں بہت ڈر کر رہنا چاہیے۔

میری ذاتی احتیاط:

جب کوئی طالب علم میرے پاس سال کے شروع میں ہدیہ لے کر آتا ہے، اگرچہ طلبہ کی بھاری اکثریت محبت کی وجہ سے تحفہ لے کر آتی ہے کیونکہ ہمارے طلبہ اپنے اساتذہ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن سال کے شروع میں داخلے کے دنوں میں تحفہ لینے سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی نیا طالب علم داخلے کیلئے آیا ہو تو جب تک اس کا داخلہ نہیں ہوتا، میں اس کا تحفہ قبول نہیں کرتا۔ جب داخلہ ہو جاتا ہے اور بظاہر اطمینان ہو جاتا ہے کہ اب میرے سے اس کی کوئی نئی ضرورت وابستہ نہیں رہی تو پھر اگر وہ تحفہ لا کر دیتا ہے تو قبول کر لیتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ ان چیزوں میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حرام سے بھی بچائے اور متشابہات سے بھی بچائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo
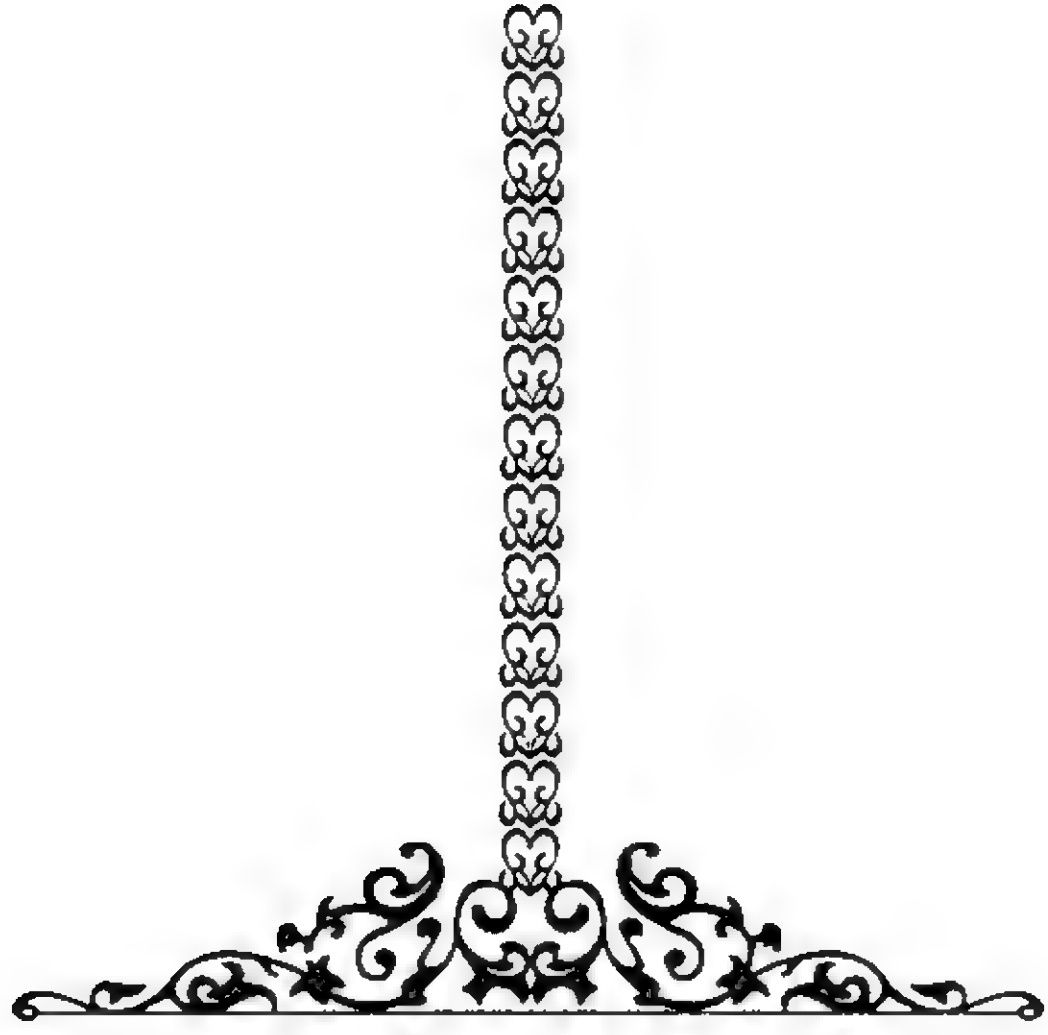
دیوبندیت کیا ہے؟

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: خیر پور ٹامیوالی

تاریخ: ۲۷ مارچ ۲۰۰۴ء

ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿ دیوبندیت کیا ہے؟ ﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضلِلهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ،صلى الله تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ وصحبه اجمعين وسلم تسليماً كثيراً كثيراً

امابعد!

فأعوذ باللّٰهِ من الشيطان الرجيم. بسمِ اللّٰه الرحمن الرحيم.

﴿ياايها الذين اٰمنوا ادخلوا فى السلم كافة ولا تتبعوا خطوت الشيطان انه لكم عدوٌّ مبينo﴾

(البقرۃ:۸_۲)

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا:

بزرگانِ محترم، حضراتِ علماء کرام، برادرانِ عزیز! معزز خواتین، میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

میں اپنے جذباتِ مسرت کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا جو اس وقت آپ حضرات کے پاس آ کر میں اپنے دل کی گہرائیوں میں پا رہا ہوں۔ آپ حضرات کے جذبہ محبت اور دین کی عظمت کی یہ علامت ہے کہ تمام مرد اور خواتین مسلسل دن و رات ہمہ تن گوش ہوکر بیانات سن رہے ہیں۔ آپ حضرات کا یہ جذبہ باعث تقویت بھی ہے اور خوش آئند بھی۔ اور اسی سے یہ توقع قائم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دینی مدرسوں کا یہ نور روز بروز پھیلتا جائے گا اور انشاء اللہ

؎ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اِس جامعہ میں حاضری کا شوق:

آپ کے اس جامعہ میں حاضری کی تمنا دو وجہ سے عرصہ دراز سے تھی۔ ایک یہ کہ اس کے بانی حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب دامت برکاتہم سے عرصہ دراز سے نیازمندانہ تعلق ہے اور بارہا حضرت نے فرمایا ''کبھی آ ؤ'' مگر موقع نہیں ملتا تھا۔

اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ درسگاہ الحمدللہ ہمارے قدیم بزرگوں کا مرکز رہی ہے۔ بڑے بڑے اکابر یہاں تشریف لاتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا عطاء اللہ بخاری صاحب رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر بڑے بڑے اکابر یہاں آتے رہے ہیں۔ ان کی برکات یہاں ہیں۔

بزرگوں کی برکتیں معمولی چیز نہیں:

بزرگوں کی برکتیں معمولی چیز نہیں۔ یہ برکتیں محسوس تو ہوتی ہیں لیکن نظر نہیں آتیں۔ جہاں بزرگوں کے قدم پہنچتے ہیں۔ اس کے انوار و برکات اس علاقے میں پھیلتے ہیں۔ یہ سالانہ اجتماع اس بستی کے لوگوں کیلئے اور بھی باعث رحمت ہے کہ یہ بزرگوں کی آمد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس سے انشاء اللہ اس بستی کو برکتیں نصیب ہوں گی اور ہوتی رہی ہیں۔

دارالعلوم دیو بند کی ایک اہم خصوصیت: اتباعِ سنت:

ہم سب کی نسبت الحمد للہ، اس آخری دور کی عظیم ترین درسگاہ دارالعلوم دیو بند سے ہے۔ اور دارالعلوم دیو بند کی سب سے بڑی خوبی اور خصوصیت صرف ایک ہے کہ اُس کو تاجدار دو عالم کے روضہ اقدس سے پکی اور سچی نسبت نصیب ہے۔ کیونکہ دارالعلوم دیو بند یا مسلک دیو بند کوئی فرقہ نہیں ہے، کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کا ترجمان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا نمونہ ہے۔

پاکستان بن جانے کے بعد میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیو بند سے ہجرت کر کے یہاں آئے۔ دیو بند ان کا اصلی وطن تھا۔ وہیں پیدا ہوئے تھے، وہیں پڑھا تھا، وہیں پڑھاتے رہے، وہیں مفتی مقرر ہوئے، ہماری ابتدائی تعلیم بھی وہاں ہوئی، جب ۱۹۴۸ء میں ہم نے پاکستان میں ہجرت کی تو میں دارالعلوم دیو بند میں درجہ حفظ میں پڑھتا تھا۔ پندرہ پارے حفظ کر چکا

تھا۔ باقی پارے پاکستان میں حفظ کئے۔ پھر دارالعلوم کراچی میں ہی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء میں فارغ ہوا۔ پھر دارالعلوم میں ہی تخصص میں داخل ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ اسباق بھی میرے سپرد ہوئے۔ اس زمانے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلی مرتبہ دیوبند کا سفر کیا۔ میں بھی اس سفر میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ تھا۔ تھانہ بھون اور دہلی میں بھی جانا ہوا۔ دیوبند میں چونکہ ہمارا آدھا خاندان آج بھی موجود ہے۔ اس لئے وہاں زیادہ دیر تک قیام ہوا۔ حضرت والد صاحب کی آمد کی خبر سن کر ہندوستان کے دور دراز علاقوں یہاں تک بنگال اور آسام تک کے لوگ سفر کر کے آگئے تھے اور والد صاحب کے اردگرد ہر وقت علماء کرام اور مفتی صاحبان کا ہجوم رہتا تھا۔ ان کے جو مشکل مسائل اٹکے ہوئے تھے، وہ مسائل حضرت والد صاحب سے حل کراتے رہتے تھے۔ وہاں کے اساتذہ اور طلبہ کی خواہش پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں خطاب فرمایا۔

اُس میں آپ نے فرمایا کہ شاید آپ حضرات اس بات کے منتظر ہوں گے کہ میں آپ کے سامنے ایسی علمی تحقیق بیان کروں گا جو پہلے کم سنی گئی ہو اور آپ واہ واہ کریں گے لیکن آج میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ میں اسی دارالحدیث کی چوکی پر بیٹھ کر کئی برسوں تک کرتا رہا ہوں اور اب میں نے توبہ کر لی ہے۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ اس نیت سے تحقیقی اور علمی بیان کرنا کہ لوگ واہ واہ کریں، بہت بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نیت سے بچائے۔ لہٰذا میں ایسی کوئی چیز آپ کے سامنے ذکر نہیں کرونگا میرے پاس کوئی نئی تحقیق نہیں ہے اور نہ میں کوئی بڑا محقق ہوں البتہ میں سیدھی سادی بات بتلانا چاہتا ہوں کہ ''دارالعلوم دیوبند کیا چیز ہے۔''

فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند نہ کوئی بت ہے جس کی پوجا کی جائے، نہ کوئی فرقہ ہے جسے دنیا کے دوسرے مسلمانوں سے الگ سمجھا جائے بلکہ'' دیوبند نام ہے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی صحیح صحیح اتباع کا۔'' ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی شریعت میں بھی اور طریقت میں بھی، علم میں بھی اور عمل میں بھی یہی دیو بند کا حاصل ہے۔ یہی دیو بند کا لبِ لباب ہے اور یہی دیو بند کا مسلک ہے۔

سنت کا لب لباب اعتدال اور توازن ہے۔ اس میں ایسا حسین امتزاج ہے کہ اس میں انتہا پسندی کہیں نہیں ہے۔ افراط اور تفریط نہیں ہے۔ صرف جذباتیت نہیں ہے۔ ہاں جذبات بھی ہیں اور حکمت بھی ہے۔ شریعت بھی ہے اور طریقت بھی ہے۔ عبادات بھی ہیں اور معاملات بھی ہیں۔ معاشرت بھی ہے اور اخلاقیات بھی ہے۔ ان سب کے مجموعہ کا نام ''سنت'' ہے اور سنت کا دوسرا نام'' اسلام'' ہے۔ اور اسی کا نام'' دیو بندیت'' ہے۔ لہٰذا دنیا بھر میں جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیرو کار ہے، وہ دیو بندی ہے۔

ہم اپنا الگ نام'' دیو بندی'' کیوں رکھیں؟

اور میں آپ کے سامنے اپنی بات عرض کروں۔ چونکہ میرا اصلی وطن دیو بند ہے۔ میرا بچپن وہاں گذرا ہے۔ میرے آباؤ اجداد وہاں کے رہنے والے تھے تو پاکستان آنے کے بعد طالب علمی کے زمانے میں مَیں اپنے نام کے ساتھ'' دیو بندی'' لکھا کرتا تھا۔ اور مجھے اس کا حق بھی تھا کیونکہ دیو بند میرا وطن تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طالب علمی کے زمانے میں مجھے اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن جب میں دارالعلوم میں مدرس ہو گیا تو مجھے منع کرتے ہوئے ایک روز فرمایا کہ اپنے نام کے ساتھ'' دیو بندی'' مت لکھا کرو۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس سے گروہ بندی اور فرقہ واریت کی بو آتی ہے۔

ہم اپنے آپ کو'' دیو بندی'' کیوں کہیں؟! دیو بندی کہنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم باقی اہلِ اسلام سے کچھ الگ لوگ ہیں۔ ہمارا کوئی الگ فرقہ ہے حالانکہ ہم رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلام ہیں، ان کی سنت کے پرستار ہیں اوران کے ناموس پر سب کچھ قربان کرنے والا بننے چاہتے ہیں تو ہم اپنا الگ نام ''دیوبندی'' کیوں رکھیں!

دیوبند میں ''فرقہ واریت'' کی کوئی تعلیم نہیں تھی:

یہ دیوبند کا مزاج ہے۔ دیوبند میں فرقہ واریت کی کہیں کوئی تعلیم نہیں تھی۔ اکابر دیوبند میں سے کوئی بھی مسلک کی بنیاد پر اپنے نام کے ساتھ دیوبندی نہیں لکھتا تھا کیونکہ اسلام میں گروہ بندی جائز نہیں ہے بلکہ بہت بدترین گناہوں میں ایک گناہ ہے۔ یہ واقعہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان تکرار ہوگئی۔ انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصاریوں کو پکار کہ ''یالَلأنصار'' اور مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجروں کو پکارا کہ ''یاللمہاجرین'' جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ:

﴿دَعُوهَا فإنّها مُنْتِنَةٌ﴾

''یہ الفاظ چھوڑ دو کیونکہ یہ بدبودار الفاظ ہیں۔''

(بخاری، کتاب التفسیر، رقم الحدیث ۴۹۰۵، ۴۹۰۷، مسلم، کتاب البر والصلۃ)

آپ نے ''یالَلأنصار'' اور ''یاللمھاجرین'' کے الفاظ کو بدبودار قرار دیا حالانکہ انصار کی جماعت کتنی مقدس اور مہاجرین کی جماعت بھی کتنی مقدس۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اگر ان مقدس ناموں کو بھی فرقہ واریت کی بنیاد پر استعمال کیا جائے گا تو ان کے اندر بھی جہالت اور کفر کی بدبو آجائے گی۔ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بو کی طرف اشارہ فرمایا، اس سے زمانہ جاہلیت کی بدبو مراد ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب قبائل آپس میں لڑتے تھے۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

رہتے تھے اور قبائلی تعصبات کا شکار تھے چنانچہ ہر آدمی اپنے قبیلے کا ساتھ دیتا تھا خواہ وہ حق پر ہوتا یا باطل پر۔

غور کیجئے کہ انصار اور مہاجرین کی جماعتیں، ایسی جماعتیں کہ ان کے فضائل میں قرآن بھرا پڑا ہے اور بلاشبہ صحابہ کے یہ دونوں طبقے ہمارے تاجدار ہیں لیکن جب یہی الفاظ مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کیلئے استعمال ہونے لگے تو آپ ﷺ نے انہی کو بدبودار فرمادیا۔ اسی لئے والد صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم اپنے نام کے ساتھ ''دیوبندی'' مت لکھا کرو۔ چنانچہ اس روز سے میں نے اپنے نام کے ساتھ ''دیوبندی'' لکھنا چھوڑ دیا۔ اب اپنے نام کے ساتھ ''عثمانی'' لکھتا ہوں کیونکہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ ہمارا نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔

ہمارے اندر سے ''دیوبندیت'' کی خصوصیات رخصت ہو رہی ہیں:

میں آج آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ ہمیں دیوبند والوں کی نسبت حاصل ہے اور ہم اپنے آپ کو مسلک دیوبند کا پیروکار بھی سمجھتے ہیں لیکن رونا اس بات کا ہے اور میں یہ بات صاف کہتا ہوں کہ ہم نے اپنے مسلک دیوبند کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم خود اپنے ہاتھوں سے مسلک دیوبند کو دفن کر رہے ہیں۔ مسلک دیوبند اعتدال کا نام تھا، تواضع اور انکساری کا نام تھا، درویشی کا نام تھا، علم اور تحقیق کا نام تھا، تقویٰ اور للّٰہیت کا نام تھا لیکن آج یہ باتیں ہمارے اندر سے رخصت ہو رہی ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے ہمیں لڑائی جھگڑا نہیں سکھایا:

ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ دیوبند میں بریلویوں کے خلاف سخت کلامی ہو رہی ہو

یا شیعوں کے خلاف تقریریں ہو رہی ہوں۔ علمی تحقیق ضرور ہوتی تھی۔ بریلوی مسلک کی جو غلطیاں ہیں، دلائل سے ان کی نشاندہی کی جاتی تھی اور دلائل کے ساتھ حق کو ثابت کیا جاتا تھا۔ روافض اور شیعوں کی غلط کاریوں کو بھی واشگاف الفاظ میں تحقیق کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا لیکن ہمارے بزرگوں نے ہمیں لڑائی جھگڑا نہیں سکھایا۔ چنانچہ دیوبند میں کبھی شیعہ سنی فساد نہیں ہوا۔ کبھی دیوبندی بریلوی فساد نہیں ہوا، کبھی اہلحدیث اور غیر اہلحدیث فساد نہیں ہوا۔ خود ہمارے محلے میں شیعہ رہتے تھے لیکن کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ اب شیطان نے یہ کام کیا کہ مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور ان کو آپس میں خوب لڑوایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو کھلے اور متفق علیہ کافر تھے، انہوں نے بغلیں بجائیں اور ان کو پھلنے پھولنے کے مواقع مل گئے۔

آج ہمارا ملک اپنی آزادی کھو چکا ہے۔ وانا میں کیا ہو رہا ہے! افغانستان میں کیا ہوا! اور ہماری حکومت نے جو کردار ادا کیا! وہ خون کے آنسو رلانے کے لئے کافی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا ہے کہ ہم متحد نہیں تھے۔ ہم طاقتور نہیں۔ ہم قرآن وسنت کی تعلیمات کو چھوڑے ہوئے تھے اور ہم دیوبند کی تعلیمات کو چھوڑے ہوئے تھے۔

ہمارے بزرگوں نے سب کام کر کے دکھائے:

دیوبند نے ہمیں یہ سکھلایا تھا کہ اسلام صرف عقیدے اور عبادتوں کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام پوری زندگی کا دستور العمل ہے۔ جس میں ایمان سرفہرست ہے۔ عبادات بنیادی مقاصد رکھتی ہیں لیکن معاملات، معاشرت اور اخلاق ایسے ایسے زبردست میدان ہیں کہ ان کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا اور مسلمان پورا مسلمان نہیں ہوتا۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی عملی زندگی کے ذریعے یہ سب کچھ کر کے دکھایا۔ لین دین میں ان کی احتیاط، اخلاق میں دوسروں کے ساتھ برتاؤ اور آدابِ معاشرت کی اعلیٰ درجے کی ایسی رعایت

کہ وہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نمونہ بن گئے تھے۔ پورے دین کو سنبھالا تھا۔ صرف ایک کسر باقی رہ گئی تھی وہ یہ کہ انگریزی تسلط کی وجہ سے اسلامی حکومت قائم نہ کرسکے اور یہ ان کی مجبوری تھی لیکن اس کے علاوہ انہوں نے باقی سب کام کرکے دکھائے۔

باہمی اختلافات میں ہمارے بزرگوں کا طرزِ عمل:

ہمارے بزرگانِ دیو بند میں اختلافات بھی ہوئے حتیٰ کہ بڑے بڑے اختلافات بھی ہوئے لیکن شدید اختلافات کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کا اتنا زیادہ احترام کرتے تھے کہ آج ہم اپنے استادوں کا بھی اتنا احترام نہیں کرتے۔

پاکستان کی تحریک چل رہی تھی۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے والد ماجد اور علماء کی ایک بڑی جماعت تحریکِ قیام پاکستان میں لگ گئی تھی لیکن شیخ الاسلام علامہ حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ساتھ علماء کی ایک بڑی جماعت پاکستان کے قیام کو مجموعی طور پر مسلمان کے لئے مفید نہیں سمجھتی تھی۔ بہر حال بزرگوں کی دو جماعتیں مختلف نظریوں پر کام کر رہی تھیں۔ دونوں کے پاس دلائل تھے اور دونوں کا یہ اختلاف اخلاص اور للھیت کی بنیاد پر تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیام پاکستان کے حامی علماء نے دارالعلوم دیو بند میں رہتے ہوئے یہ اختلاف ظاہر نہیں کیا بلکہ وہاں سے استعفیٰ دیا اور اس کے بعد تحریک پاکستان میں لگے تاکہ دارالعلوم دیو بند کی درسگاہ کو نقصان نہ پہنچے۔ یہاں کے فتوے مختلف نہ ہوں۔ یہاں کے بیانات میں تضاد نہ ہو۔

مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قابلِ تقلید واقعہ:

علیحدگی کے بعد باہمی احترام کا معاملہ ملاحظہ فرمایئے۔ ایک روز جمعہ کی نماز

کے بعد ہمارے گھر پر ہمارے والد اور ان کے رفقاء کی مجلس مشاورت ہو رہی تھی۔ (علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب تھے یا نہیں تھے، یہ مجھے اب یاد نہیں رہا) دوران مشورہ کسی بات کے بارے میں یہ رائے آئی کہ اس سلسلے میں شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بات کرنی چاہیے۔ شیخ الادب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دارالعلوم دیوبند میں تھے اور والد صاحب کے مستعفی ہونے کے بعد دارالافتاء کا کام انہوں نے سنبھالا ہوا تھا۔ آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے کے حامی تھے لیکن والد صاحب کے خاص استادوں میں سے تھے۔ ہمارے والد صاحب نے سب سے زیادہ کتابیں مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھی تھیں۔ اب دیکھئے! استاد اور شاگرد کے درمیان اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود یہ طے ہوا کہ حضرت شیخ الادب صاحب سے اس مسئلے میں ملاقات کرنی چاہیے۔

ان بزرگوں نے مجھ سے کہا کہ جا کر دیکھ کر آؤ کہ حضرت تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ میں بچہ تھا، نو دس سال عمر ہوگی۔ مجھے معلوم تھا کہ حضرت زیادہ وقت دارالافتاء میں گذارتے ہیں۔ گھر بہت کم جاتے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد کا وقت تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ حضرت اس وقت دارالافتاء میں ہوں گے۔ میں دارالافتاء گیا تو وہ بند تھا۔ مجھے یہ چاہیے تھا کہ آس پاس کے کسی آدمی سے پوچھ لیتا کہ حضرت اندر تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ لیکن میں نے یہ حماقت کی کہ دروازے پر دستک دے دی۔ حضرت آرام فرما رہے ہوں گے۔ باہر تشریف لائے، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ میں فلاں ہوں اور مجھے ابا نے یہ دیکھنے کے لئے بھیجا ہے کہ آپ تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا اچھا اور پھر دروازہ بند کر لیا۔ میں واپس چلا آیا۔ راستے میں کسی بات کی وجہ سے دیر ہوگئی تو گھر پہنچنے میں دس پندرہ منٹ لگ گئے۔ گھر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ الادب صاحب وہاں موجود ہیں۔

انہیں جب یہ پتہ چلا کہ یہ لوگ میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو انہوں نے انتظار نہیں کیا بلکہ خود تشریف لائے۔ یہ تھی ان کی تواضع اور انکساری۔

حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں ہی یہ بات مشہور ہے کہ ان کا معمول یہ تھا کہ جس پر نظر پڑی فوراً اُسے سلام کرتے تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ کوئی ان سے سلام میں پہل نہیں کرسکتا تھا۔ طلبہ آپس میں شرط لگاتے تھے کہ آج ہم استاد کو سلام کرنے میں پہل کریں گے لیکن استاد اس کا موقع نہیں دیتے تھے۔ حالانکہ یہ استاد تھے اور وہ شاگرد لیکن آداب میں یہ شامل نہیں کہ بڑا یہ انتظار کرے کہ چھوٹا ہی سلام میں پہل کرے۔ دیکھئے ان کے اندر سنت پر عمل کرنے کا کس قدر اہتمام تھا۔

سید اصغر حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خلق خدا سے خیر خواہی کا عجیب نمونہ:

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک اور استاد ہیں۔ سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ مادرزاد ولی اللہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے بارے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ واقعہ کئی بار سنایا کہ کھانا کھارہے تھے۔ مجھے بھی بٹھالیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو دسترخوان سمیٹنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں سمیٹ لیتا ہوں۔ فرمایا کہ تمہیں سمیٹنا آتا ہے۔ میں نے کہا کہ سمیٹنا کیا مشکل ہے۔ فرمایا: کیا کروگے۔ میں نے کہا کہ جاکر اُسے جھاڑ آؤں گا۔ فرمایا کہ نہیں، تمہیں دسترخوان سمیٹنا نہیں آتا۔ دیکھو میں اس طرح سمیٹتا ہوں۔ یہ کہہ کر چھیچھڑے الگ کئے، ہڈیاں الگ کیں، روٹی کے بڑے ٹکڑے الگ کئے، چھوٹے ٹکڑے الگ کئے اور پھر فرمایا کہ دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔ وہاں سے اٹھے سامنے ایک موٹی سی دیوار تھی۔ اس پر ایک بلی بیٹھی ہوئی انتظار کررہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ جب میاں صاحب کھانے سے فارغ ہوتے ہیں تو مجھے یہاں سے رزق ملا کرتا ہے۔ حضرت نے اس کے

آگے پیچھے رکھے۔ باہر ایک جگہ ہڈیاں ڈالیں۔

وہاں برابر میں ایک کتا انتظار میں تھا۔ وہ ہڈیاں لے گیا۔ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اور چھوٹا چھوٹا کر کے چھت پر ڈالا، وہاں کبوتر آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ ٹکڑے کھائے۔ روٹی کے باریک ذرات کا بور ایک دیوار پر جا کر ڈال دیا۔ وہاں چیونٹیوں کا ایک بھٹ تھا۔ یہ بور ان کے کام آیا اور وہ جو روٹی کے بڑے ٹکڑے بچ گئے تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے محلے کے غریب بچوں کے لئے ہیں۔ جب میں انہیں یہ ٹکڑے دیتا ہوں تو وہ اس سے اتنے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے بچے بسکٹوں سے اتنا خوش نہیں ہوتے۔

اب دیکھئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رزق کو ضائع نہ ہونے دیا اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی بھی کر دی۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تواضع کا حیرت ناک واقعہ:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ ہے کہ کسی شہر کا مالدار آدمی آپ کا نام اور شہرت سن کر ملنے کے لئے آیا۔ دیو بند آ کر پوچھا کہ بڑے مولوی صاحب کا گھر کہاں ہے؟ لوگوں نے آپ کے گھر کا دروازہ دکھایا۔ گھر پہنچا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے حضرت نکلے حالانکہ یہ آپ کے آرام کا وقت تھا۔ آپ کے جسم پر معمولی کپڑے تھے۔ وہ آپ کو پہچان نہ سکا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میں بڑے مولوی صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ فرمایا کہ آئیے، آپ گرمی میں آ رہے ہیں۔ ٹھنڈا پانی پلایا، کمرہ میں بٹھایا، پنکھا جھلا۔ وہ کہنے لگا مجھے بڑے مولوی صاحب سے ملوا دیجئے۔ فرمایا ہاں مل لیجئے گا۔ ابھی آپ تھکے ہوئے ہیں، معلوم ہوا کہ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا، فرمایا کہ میں کھانا لاتا ہوں۔ کھانا کھلا دیا۔ وہ کہنے لگا کہ چلو اب ملا دو۔ فرمایا

کہ ملا دیں گے لیکن ابھی آرام کرلیں۔ اسے لٹا دیا اور پھر پنکھا جھلنے لگے جب وہ آرام کر چکے اور کہا اب تو ملا دو تو فرمایا کہ بڑے مولوی صاحب تو یہاں کوئی نہیں رہتے البتہ بندۂ محمود تو میں ہی ہوں۔

یہ تھی دیوبندیت، اپنے نفس کو مٹانا اور دوسروں کی خدمت کرنا ان کا شیوہ تھا۔

ایک فاحشہ عورت کا اتنا خیال!:

حضرت میاں اصغر حسین صاحب کا ہی ایک اور واقعہ میں نے والد صاحب سے سنا کہ رات کو جب گھر جاتے تو گھر کے قریب ایک گلی آتی تھی۔ جب اس گلی میں پہنچتے تو جوتے نکال لیتے۔ میں نے دیکھا تو تعجب ہوا۔ جب کئی دفعہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو ایک دفعہ پوچھ لیا کہ حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اس کی ایک وجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس گلی کے اندر ایک پیشہ ور فاحشہ عورت رہتی ہے۔ جوانی کے زمانے میں اس کے پاس بہت گاہک آتے تھے۔ اب بوڑھی ہوگئی ہے۔ اب گاہک نہیں آتے۔ وہ روزانہ بن سنور کر بیٹھتی ہے لیکن گاہک نہیں آتے۔ میں جب رات کو دیر سے یہاں سے گذرتا ہوں تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر اس کے کانوں تک میرے جوتوں کی آواز جائے گی تو اس کے دل میں یہ تمنا اور امید پیدا ہوگی کہ شاید گاہک آیا ہے۔ اور جب میں گذر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹے گا، تو بلا وجہ اللہ کی مخلوق کا دِل کیوں دکھاؤں۔

دیکھئے کہ ایک فاحشہ عورت کے ساتھ ہمارے بزرگانِ دیوبند کا یہ معاملہ ہے۔

ہم ''دیوبندیت'' کی صفات سے محروم ہوتے جارہے ہیں:

یہ تو چند ایک مثالیں ذکر کی ہیں۔ ورنہ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ وقت کی کمی ہے، اس لئے میں اس بات پر اپنا بیان ختم کرتا ہوں کہ الحمدللہ، ہم نے

بزرگان دیوبند کی محبت دل میں سمارکھی ہے۔ بلاشبہ یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن ہم نے ان بزرگوں کے طور طریقوں کو بھلادیا۔ ہمارے مدرسوں کے اندر وہ طور طریقے نہیں رہے۔ نظم وضبط، تقویٰ واخلاص، تواضع وانکساری، صفائی وستھرائی، تعلیم اور عبادت میں محنت وہ جوہر ہیں جو ہمارے بزرگان دیوبند کی نمایاں صفات تھیں، لیکن آج ہم ان صفات سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ نتائج حاصل نہیں ہورہے جو دارالعلوم دیوبند سے حاصل ہوئے تھے۔

میں نے اپنے والدمحترم سے بار بار سنا کہ ہمارے دینی مدارس گذشتہ تیس سال سے عقیم (بانجھ) ہوگئے ہیں یعنی یہاں سے کوئی مولوی پیدا نہیں ہوتا۔ والد صاحب کو فوت ہوئے اب اٹھائیس سال ہوچکے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب سے تقریباً اٹھاون سال سے ہمارے دینی مدارس اس زبوں حالی کا شکار ہیں۔ فرمایا کہ مولانا تو بہت پیدا ہوتے ہیں، مولوی پیدا نہیں ہوتے۔ مولوی کس کو کہتے ہیں؟ لفظ ''مولوی'' کی نسبت ''مولا'' کی طرف ہے۔ تو اس کے معنی ہیں مولا والا یعنی اللہ والا یعنی ولی اللہ۔

علمِ مولا ہو جسے، ہے مولوی
جیسے حضرت مولوی ہے معنوی

والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں دارالعلوم کراچی کے اندر اس تمنا پر محنت کررہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہاں سے کوئی مولوی پیدا کردے۔ اگر ایک مولوی بھی پیدا ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ میری ساری محنت کی قیمت وصول ہوگئی۔

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمارے دادا مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ مقولہ نقل کرتے تھے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب یہاں مہتمم اور صدر مدرس سے لے کر چپڑاسی اور چوکیدار تک سب صاحبِ نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند اولیاء اللہ کا مجموعہ تھا۔ آج ہم ان بزرگان کے نام لیوا ضرور ہیں لیکن ہمارے اندر وہ صفات موجود نہیں رہیں۔ آپ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں اور پھر اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہمارے اندر کتنا رنگ اور کتنا اثر ان بزرگوں کا آیا ہے۔

اہلِ مدارس سے بہتر کوئی طبقہ نہیں:

اور میں عوام سے یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ ان مدرسوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کبریٰ سمجھئے۔ اس وقت پوری دنیا کا عالم کفر ان مدرسوں کو مٹانے کے درپے ہے۔ آپ حضرات کو دینی غیرت اور حمیت کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ ان مدرسوں کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں اور جو کچھ تعاون آپ ان مدرسوں کے ساتھ، ان مدرسوں کے علماء کے ساتھ اور ان مدرسوں کے طلبہ کے ساتھ کر سکتے ہوں، وہ جاری رکھیں۔ اگرچہ ہمارے مدارس میں کمزوریاں آگئی ہیں لیکن اس وقت پوری دنیا میں جتنے طبقات دین کا کام کررہے ہیں، میری نظر میں اس سے بہتر طبقہ اور کوئی نہیں۔

دیکھئے! تبلیغی جماعت کے حضرات الحمدللہ دین کا بہت کام کررہے ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں اللہ کا پیغام پہنچارہے ہیں لیکن وہ دس روز لگائیں گے، چلہ لگائیں گے، چار مہینے لگائیں گے، سال لگائیں گے۔ پھر گھر واپس کر اپنے کام میں لگ جائیں گے۔ پھر کچھ وقفوں سے کچھ نہ کچھ وقت دیتے رہیں گے۔ مجاہدین جہاد میں جائیں گے، مہینہ، دو مہینہ، سال، دو سال جہاد میں لگائیں گے، پھر واپس آکر اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں گے لیکن مدرسوں کے طلبہ اور اساتذہ کی جماعت ایسی ہے کہ انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا اور ''الف ب ت'' سیکھنی شروع کی، اس وقت سے پڑھنا لکھنا انکا اوڑھنا بچھونا ہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے لئے سولہ سال تک علم دین حاصل کرتے

ہیں۔اس کے بعد اسی علم دین کے پڑھتے پڑھانے تصنیف وتالیف اوراس کے فتویٰ میں ساری زندگی گذار دیتے ہیں۔ان کا مہد سے لے کر لحد تک کا مشغلہ "قال اللہ قال الرسول" ہوتا ہے۔

اس وقت پوری روئے زمین پر کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے جو ہوش سنبھالنے سے لے کر موت تک مسلسل دین کی خدمت کے کام میں لگا ہوا ہو۔صرف یہی طبقہ ہے جو تنگی ترشی کی زندگی گذار کر، کم تنخواہوں پر گذارا کر کے اور تنگ وتاریک حجروں میں انہوں نے دین کی شمع کی حفاظت کی ہے، انگریز کے دور استبداد میں بھی اور ابھی بھی مسلسل دین کی شمع جلائے ہوئے ہیں۔

پورے دین پر عمل کرنا ضروری ہے:

اورایک بات میں اللہ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو ٹھیک کیا۔مدرسوں کو معاشرت، اخلاق، معاملات، اخلاص اور للٰہیت میں دین کی بنیاد پر رکھا تو انشاء اللہ کوئی ان کا بال بیکا نہیں کر سکے گا، پوری دنیا الٹی لٹک جائے گی، تب بھی کوئی ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

ارشاد باری ہے:

﴿إن تَنصُرُوا اللّٰهَ يَنصُرْكُمْ﴾ (سورۃ محمد:۷)

"اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔"

اور "دین کی مدد کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ پورے دین کی مدد کی جائے۔ صرف یہ نہیں کہ کلمہ پڑھ کر اور نمازیں ادا کر کے یہ سمجھ لیا کہ ہمیں جنت کا ٹکٹ مل گیا۔ اسلام زندگی کے پورے دستورالعمل کا نام ہے۔جس میں معاملات، معاشرت اور اخلاق بھی داخل ہیں۔ہم نے صرف عبادات کی حد تک تو دین کو اپنایا ہے، زندگی کے دیگر

شعبوں میں دین کو چھوڑ رکھا ہے۔

یاد رکھئے کہ صرف عبادات پر دنیا میں اقتدار ملنے کا وعدہ نہیں کیا گیا بلکہ پورے دین پر عمل کرنے پر اقتدار کا وعدہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ (سورہ نور:۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کئے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔''

''عملوا الصالحات'' اس وقت ہوگا جب عبادات کے ساتھ ساتھ ہماری تجارت بھی شریعت کے مطابق ہو اور ملازمت بھی، مزدوری بھی شریعت کے مطابق ہو اور شرکت بھی، زراعت اور کاشتکاری بھی شریعت کے مطابق ہو اور حکومت اور سیاست بھی، عدالت بھی شریعت کے مطابق ہو اور باطنی اخلاق بھی، جب یہ سب چیزیں شریعت کے مطابق ہوں گی تو اقتدار ہمارے ہاتھ میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو پورے دین پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور بزرگانِ دیوبند کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)
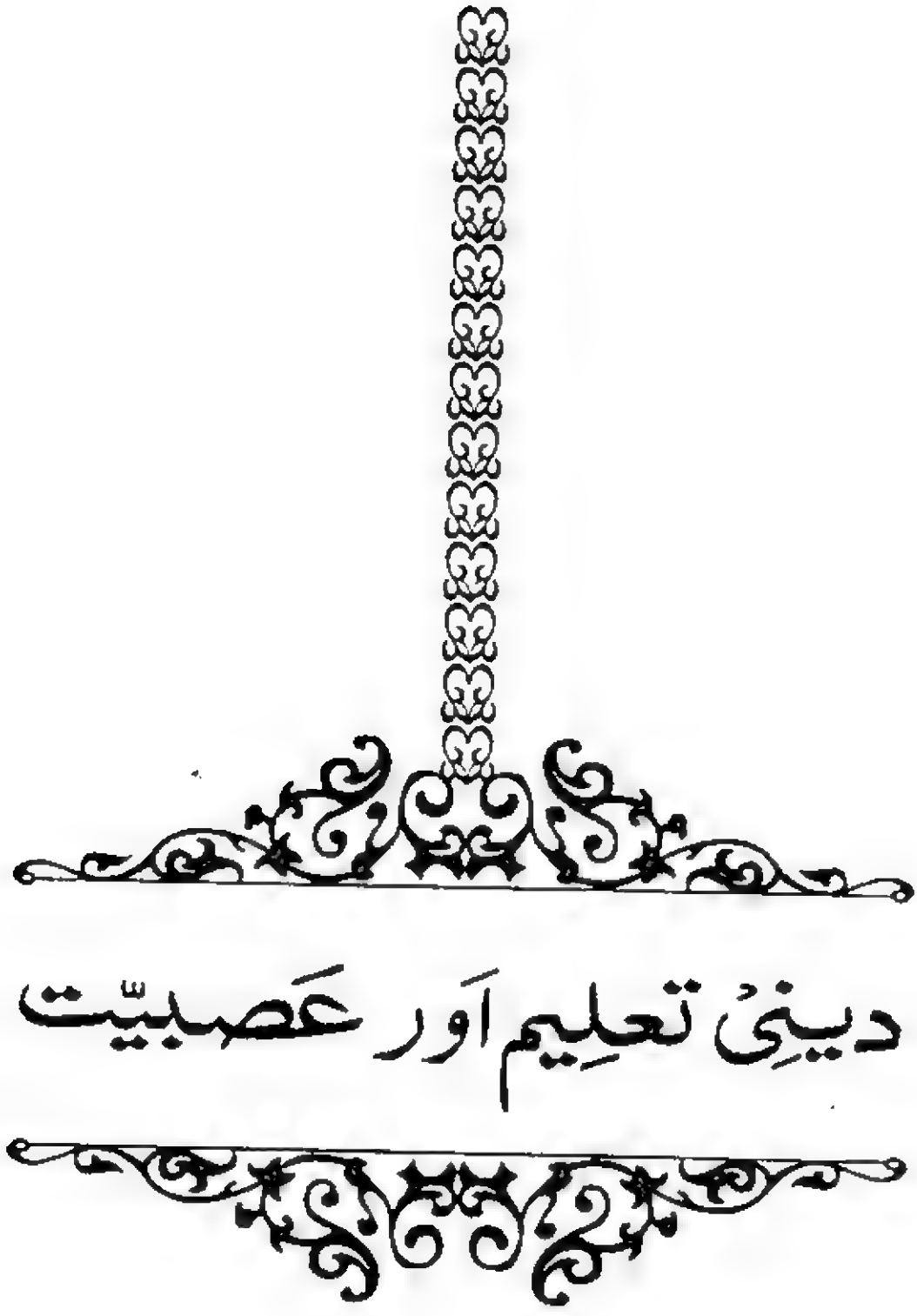
وآخر دعوانا أنِ الحمدلله رب العالمينO

دینی تعلیم اور عصبیّت

موضوع : دینی تعلیم اور عصبیت

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام : مدرسہ ریاض العلوم حیدرآباد

باہتمام : محمد اشرف

﴿دینی تعلیم اور عصبیت﴾

خطبہ مسنونہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلِہٖ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً کثیراًo

امابعد

فاعوذباللہ من الشطین الرجیم ط بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ط

لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من

انفسهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتب و الحكمة و ان كانوا من قبل لفى ضلال مبين O (آل عمران: ۱۶۴)

بزرگان محترم، حضرات علمائے کرام، محترم اساتذہ اور عزیز طلبہ!

حیدرآباد میں میری حاضری اس مرتبہ سالہا سال کے بعد ہوئی ہے اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اور لڑکپن کے زمانہ میں بارہا یہاں حاضری ہوئی۔ اس کے بعد آنا کم ہوا۔ بعض مرتبہ تو رات کو آیا اور رات ہی کو واپس چلا گیا۔

۴۸ء میں ہم نے پہلی بار اس حیدرآباد کو دیکھا جب ہجرت کر کے پاکستان پہنچے تو پاکستان میں ہماری سب سے پہلی منزل یہی حیدرآباد تھی، یہاں ایک رات گذاری اور اس کے بعد کراچی جانا ہوا۔

حیدرآباد سندھ سے قلبی تعلق

حیدرآباد سے ذہنی وقلبی وابستگی تو اور بھی پہلے سے تھی، پاکستان بننے سے پہلے جب تحریک پاکستان پورے عروج پر تھی تو یہاں کے بعض علماء کرام اور مشائخ عظام نے جمعیت علمائے اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس یہاں منعقد کی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام سے مراد وہ جمعیت ہے جس کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان سے پہلے قائم کیا تھا اور اس کا سب سے پہلا مقصد پاکستان کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا تھا، چنانچہ اس جمعیت علمائے اسلام کی اس عظیم الشان کانفرنس کے لئے شیخ الاسلام مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا اور انہی کی زیر صدارت یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی، لیکن ان کی علالت کے باعث

انہوں نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نائب بنا کر یہاں بھیجا اور والد صاحبؒ کی صدارت میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی یہ پاکستان بننے سے چھ ماہ قبل جنوری ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے۔

یہاں جو خطبہ صدارت والد ماجدؒ نے دیا تھا، بعد میں وہ کتابی شکل میں شائع ہوا، یہ خطبہ سیاسی مسائل پر دینی علوم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ بہر حال اس وقت سے حیدر آباد سے ذہنی وقلبی وابستگی تھی وہ ہمارے بچپن کا دور تھا اور اس وقت ہم دیو بند میں مقیم تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ۴۸ء میں یہاں آئے تو اس وقت کچھ مقامی مشائخ اور علمائے کرام موجود تھے، جو یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے، اس کے بعد وقتاً فوقتاً جب کبھی یہاں آنا ہوا اور جب بھی حیدر آباد کے حالات اخبارات میں پڑھے یا لوگوں سے سنے، ایک کسک، ایک خلاء بڑی شدت سے محسوس ہوا۔ اور اس خلا کو محسوس کرتے کرتے ۴۸ء سے لیکر اب یہ ۸۸ء شروع ہونیوالا ہے تقریباً ۴۰ سال کے اس پورے عرصہ میں وہ خلا بڑی شدت سے محسوس ہوتا رہا۔ قبل اس کے کہ میں اس خلا کا ذکر کروں، ایک بات اور ذکر کروں۔

قیام پاکستان اور مدارس عربیہ

جب پاکستان قائم ہوا تو برصغیر میں جتنے بڑے بڑے مدارس اور علوم کے مراکز تھے اور جو بڑی اہم علمی شخصیتیں تھیں، وہ تقریباً تمام ہی ہندوستان میں رہ گئیں۔ پاکستان میں کوئی قابل ذکر مدرسہ یا مرکزی نوعیت کی کوئی دینی درسگاہ موجود نہیں تھی، بالکل اسی طرح جب پاکستان بنا ہے تو تمام صنعتی کارخانے ہندوستان میں رہ گئے تھے، یہاں کارخانے نہیں تھے۔ ہر چیز میں ہم دوسرے ممالک کے محتاج تھے۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ مذاق اڑاتے تھے کہ ننگا پاکستان ہے، بھوکا پاکستان ہے لیکن جس طریقے سے کارخانوں کی کمی کو اللہ جل شانہ نے پورا کیا اور صنعتی ترقی پاکستان نے کی، اور وہ خلا پر ہوا،

جو قیام پاکستان کے وقت صنعتی میدان میں موجود تھا، اسی طریقہ سے ایک خلا دینی حلقوں میں تھا، یہاں کوئی بڑا مدرسہ قابل ذکر موجود نہیں تھا۔ کراچی میں ایک پرانا مدرسہ تھا، مظہر العلوم کھڈہ، پورے پاکستان کی ضرورتوں کے لئے وہ کافی نہ تھا، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہمارے اکابر علماء نے بڑے بڑے مدرسوں کی بنیادیں رکھیں اور بحمد اللہ مدارس قائم ہوتے چلے گئے۔

لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی۔ ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے خیر المدارس قائم فرمایا۔ کراچی میں میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کراچی قائم کیا۔ ٹنڈوالہیار میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے دارالعلوم الاسلامیہ کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں اتنے مدرسے ہوگئے کہ الحمد للہ اب مدرسوں کی تعداد میں کوئی کمی ملک میں نظر نہیں آتی۔ کراچی میں تو اب یہ حال ہے کہ محلّہ محلّہ میں مدرسہ ہے بلکہ میں کہتا ہوں اور اپنے والد ماجدؒ سے سنا تھا۔ اس لئے کہتا ہوں کہ کراچی میں درس نظامی کے مدرسے اتنی تعداد میں ہوگئے ہیں کہ اتنی ضرورت وہاں نہیں تھی۔

بلکہ زیادہ تعداد سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ ہر مدرسہ کے الگ مصارف ہیں۔ ایک مدرسہ میں تین طالب علم لئے بیٹھے ہیں۔ بعض اساتذہ ان کے لئے چندہ کرتے پھر رہے ہیں، دوسرے مدرسہ میں پانچ طالب علم بیٹھے ہیں ان کے لئے چندہ ہو رہا ہے، عمارتیں بن رہی ہیں، کراچی میں تو مدرسوں کی یہ افراط ہے، پنجاب اور صوبہ سرحد میں بھی آپ جائیں گے تو چھوٹے چھوٹے شہروں میں دو دو تین تین مدرسے آپ کو ملیں گے، بحمد اللہ بڑے بڑے مدرسے بھی ہیں۔

لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے اس کا کیا سبب ہے کہ حیدر آباد میں مدرسوں کا جو خلا ۴۸ء میں تھا وہ آج تک اسی طرح ہے، یہاں کوئی ایسا تعلیمی اور تربیتی ادارہ وجود میں

نہیں آسکا جو اس شہر کی اور اس کے متعلقات کی دینی ضرورتوں کو پورا کر سکے ابھی تک کوئی قابل ذکر دارالافتاء بھی یہاں میرے علم میں نہیں ہے۔

اور علماء پیدا ہوتے ہیں مدرسوں سے، جب یہاں مدرسہ نہیں ہوگا تو علماء کیسے پیدا ہوں گے؟ تو ۴۸ء سے یہ ایک کسک محسوس ہوتی ہے اور ایک خلا نظر آتا ہے حیدر آباد میں، یہ بہت بڑی کمی ہے اور خطرناک کمی ہے۔

دین اسلام اور علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارا دین جو تاجدار عالم سرور کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا، اس کی بنیاد علم پر ہے، اگر اس میں سے علم نکال دیا جائے تو دین ختم ہو جائے۔ اس دین کا مدار علم پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصبی قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں وہ چار ہیں، وہ فرائض اسی آیت میں ارشاد فرمائے گئے ہیں جو میں نے ابھی عربی خطبہ میں پڑھی ہے۔

لقدمن اللّٰہ علی المؤمنین الخ اس آیت میں آپ کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں: پہلا یہ کہ یتلوا علیھم آیاتہ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں تا کہ دوسرے لوگ بھی اس کو صحیح طریقہ سے پڑھ سکیں اور اللہ کا پیغام پہنچ جائے۔ دوسرا ویزکیھم اور ان کے اخلاق کا تزکیہ کریں یعنی لوگوں کے اخلاق وعادات کی اصلاح فرمائیں۔ ویعلمھم الکتب والحکمۃ اور لوگوں کو قرآن کی اور حکمت کی تعلیم دیں، ان چار مقاصد میں آپ دیکھئے کہ بنیادی طور پر دو باتیں ہیں ایک تعلیم قرآن وسنت دوسرے تربیت یعنی علم کے مطابق اعمال واخلاق کی اصلاح۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کا خلاصہ دو کام ہیں تعلیم اور تربیت انہی دو کاموں کو آپ نے ۲۳ سال تک متواتر انجام دیا، معلوم ہوا کہ دین کی بنیاد علم

پر ہے اور اس کا اندازہ ایک تو اسی بات سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امت کا سب سے پہلا معلم اور استاد بنا کر بھیجا گیا، دوسرے آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ وہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی یعنی سب سے پہلی آیت جو غار حرا میں جبریل امینؑ لے کر آئے وہ آیت اقرأ کے لفظ سے شروع ہو رہی ہے۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم ۔ یہ آیات ہیں جو سب سے پہلے غار حرا میں نازل ہوئیں ان آیات میں جو سب سے پہلا حکم ہے وہ اقرأ یعنی پڑھئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل امینؑ اللہ جل شانہ کا پیغام دے رہے ہیں کہ پڑھئے: اقرأ باسم ربک الذی خلق یعنی پڑھئے اس ذات کے نام سے کہ جس نے پیدا کیا۔ خلق الانسان من علق اس نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ اقرأ وربک الاکرم دیکھئے دوبارہ حکم آیا۔ کہ آپ پڑھئے آپ کا پروردگار بہت کرم والا ہے علم بالقلم جس نے انسان کو تعلیم دی ہے قلم کے ذریعہ دیکھئے تعلیم کا بھی ذکر آ رہا ہے اور قلم کا بھی ذکر آ رہا ہے۔ علم الانسان مالم یعلم انسان کو ایسی چیزوں کی تعلیم دی جو پہلے وہ نہیں جانتا تھا۔

تو سب سے پہلی آیت اور سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ پڑھئے۔ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی ہے، ترتیب قرآن کے اعتبار سے تو یہ آیت سب سے پہلی نہیں، لوح محفوظ میں قرآن کریم جس ترتیب سے لکھا ہوا ہے، اسی ترتیب سے یہ قرآن مرتب ہوا ہے اور لوح محفوظ کی اسی ترتیب کے مطابق آج بحمداللہ ہمارے مصاحف اور سینوں میں محفوظ ہے لیکن اس کا نزول لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق نہیں ہوا۔ بلکہ یہ مختلف حالات اور ضرورتوں کے مطابق متفرق طور پر نازل ہوا ہے۔ چنانچہ نزول کے اعتبار سے سب سے پہلے آیت اقرأ باسم ربک الذی خلق الخ ہے۔

اور قرآن مجید کی جو ترتیب ہمارے مصاحف میں ہے اور جو لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے اس ترتیب میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہے اور اس کے بعد سورہ بقرہ ہے۔ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کریم کا دیباچہ اور مقدمہ ہے قرآن کریم کا مفصل متن سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ سے شروع ہو رہا ہے جس کی سب سے پہلی آیت الٓمٓ ذالک الکتب الخ ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتاب کا ذکر سب سے پہلے آیا ہے۔ وہاں سب سے پہلی وحی میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ قلم کا ذکر ہے تعلیم کا ذکر ہے اور یہاں سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت میں کتاب کا ذکر ہے۔

مزید دیکھئے کہ قرآن مجید کا نام ہے۔ ''القرآن'' یعنی وہ چیز جس کو پڑھا جائے۔ اور دوسرا نام ہے ''الکتاب'' یعنی وہ چیز جو لکھی جائے تو یہ دین لکھنے پڑھنے کا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ دور میں یہی کام کیا ہے کہ آپ نے قرآن پڑھایا اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی، یہی حاصل ہے تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ کا۔

مزید اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو عام کرنے کا کتنا اہتمام فرمایا تھا کہ غزوۂ بدر جو حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ ہے اس میں کفار کے بڑے بڑے سردار قتل کیے گئے۔ اور ۷۰ بڑی شخصیتیں گرفتار ہوئیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں فتح مبین عطا فرمائی، قیدیوں کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ ایک رائے یہ ہوئی کہ فدیہ اور مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو مالی منفعت حاصل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ کفار مکہ مال دے کر اپنے قیدی چھڑا رہے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قیدیوں میں سے جو لوگ لکھنا جانتے ہیں ان کا فدیہ ہم مال

ودونت کی صورت میں نہیں لیں گے۔ بلکہ ہر قیدی جو لکھنا جانتا ہے وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے اس کی جان بخشی ہو جائے گی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لکھنا سکھانے کا اہتمام فرمایا۔

درسگاہِ صُفّہ

ہجرت مدینہ کے بعد جب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو اسی میں ایک صفہ تھا۔ یہ صفہ اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ اور سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اس کے اندر چار سو کے قریب طلبہ صحابہ کرامؓ زیر تعلیم رہے ہیں اور ایک ایک وقت میں تقریباً اسی طالب علم رہے، انہیں میں سے ایک ہونہار طالب علم حضرت ابوہریرہؓ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵۳۷۴ حدیثیں یاد کر کے امت تک پہنچائیں۔

یہ صفہ کیا تھا؟ یہ مسجد نبوی کے ساتھ ایک چبوترہ تھا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیا کرتے تھے، خلاصہ یہ کہ سب سے پہلے استاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے پہلے شاگرد صحابہ کرامؓ ہیں اور سب سے پہلا مدرسہ صفہ ہے۔

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ دین علم کے بغیر نہیں آ سکتا، دین موقوف ہے علم پر، علم کے بغیر نہ انسان کا عقیدہ درست ہو سکتا ہے، نہ عمل کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ فرائض ادا ہو سکتے ہیں، نہ حرام سے بچا جا سکتا ہے۔

فضائلِ علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ نجات موقوف ہے عقیدہ اور عمل پر یعنی ایمان اور عمل پر، اور ایمان و عمل موقوف ہے علم پر۔ تو نجات موقوف ہے علم پر، اس واسطے یہ دین علم کا دین ہے، لکھنے پڑھنے کا دین ہے چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی کتنی ہی احادیث میں علم کے اور علماء کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تَدارُسُ العلم سَاعَةً مِنَ اللَّيل خَيرٌ مِنْ اِحيَاءِ هَا یعنی ایک رات کے گھنٹہ میں علم کا تدارس کرنا، مذاکرہ کرنا، علم میں مشغول رہنا یہ بہتر ہے پوری رات کی عبادت سے، یعنی ایک شخص جو پوری رات کھڑے ہوکر تہجد پڑھتا ہے یہ بھی بہت بڑی فضیلت اور عبادت ہے۔ اللہ کو بہت پسند ہے، لیکن فرمایا کہ دوسرا شخص جو ایک گھنٹہ علم میں مشغول رہتا ہے، پڑھتا ہے یا پڑھاتا ہے اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اس شخص سے جو پوری رات عبادت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ ایک وہ شخص جو فرائض وواجبات ادا کرتا ہے اور حرام وگناہ سے بچتا ہے، نفلی عبادت زیادہ نہیں کرتا، مگر عالم ہے، دوسرا عالم تو نہیں، لیکن بہت عبادت گذار ہے، صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ان میں سے افضل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا افضل وہ شخص ہے جو علم والا ہے۔

نیز آپ نے بھی فرمایا فَضلُ العَالِم عَلی العَابِدِ کَفَضلِی عَلٰی ادنٰکُم۔ فضیلت عالم کو عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ صحابی پر، یعنی جو فرق ایک ادنیٰ صحابی اور مجھ میں ہے وہی فرق ایک عابد اور عالم میں ہے تو یہ دین علم کا دین ہے اس میں کمال علم کے بغیر نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُل مُسلِمٍ یعنی علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

علم دین فرض عین اور فرض کفایہ

علم دین بہت سے علوم پر مشتمل ہے اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت اس پر قادر نہیں کہ ان سب علوم کو پورا حاصل کر سکے، اس لئے مذکورہ حدیث شریف میں جو علم ہر

مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے اس سے مراد علم دین کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ اپنے عقائد صحیح کر سکتا ہے نہ فرائض وواجبات ادا کر سکتا ہے اور نہ حرام وناجائز کاموں سے بچ سکتا ہے۔ باقی علوم کی تفصیلات یعنی قرآن وحدیث کے تمام معارف ومسائل اور ان سے نکالے ہوئے احکام کی پوری تفصیل کا علم حاصل کرنا نہ ہر مسلمان کی قدرت میں ہے نہ ہر ایک پر فرض عین ہے، البتہ پورے عالم اسلام کے ذمہ فرض کفایہ ہے، یعنی ہر شہر میں ایک عالم دین ان تمام علوم دین کا ماہر موجود ہو تو باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں، اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم دین نہ ہو تو اس بستی والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں یا باہر سے کسی عالم کو بلا کر اپنے شہر میں رکھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اس عالم سے فتویٰ لے کر سمجھ سکیں اور عمل کر سکیں، اسلئے علم دین میں ''فرض عین'' اور ''فرض کفایہ'' کی تفصیل یہ ہے:۔

فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل

ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ اسلام کے صحیح عقائد کا علم حاصل کرے اور طہارت وناپاکی کے احکام سیکھے، نماز، روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے ہر مسلمان پر فرض یا واجب کی ہیں ان کا علم حاصل کرے، جن چیزوں کو شریعت نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے۔ جس کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جس کو حج کرنے کی قدرت ہے، اس پر فرض عین ہے کہ حج کے احکام ومسائل معلوم کرے۔ جس کو خرید وفروخت کرنا پڑے یا تجارت وصنعت یا مزدوری کے کام کرنے پڑیں۔ اس پر فرض عین ہے کہ بیع واجارہ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام ومسائل اور طلاق کے احکام ومسائل سیکھے، غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض یا واجب کئے ہیں ان کے احکام ومسائل کا

علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

علم تصوف کا ضروری حصہ بھی فرض عین ہے

دین کے ظاہری اعمال جو ہم اپنی زبان سے انجام دیتے ہیں یا جسم کے باقی ظاہری اعضاء و جوارح سے انجام دیتے ہیں مثلاً نماز، روزے وغیرہ کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ فرض عین ہیں اور ان کا ضروری علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ باطنی اعمال جو اپنے دل سے انجام دیتے ہیں اور جو ہر شخص پر فرض عین ہیں ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے۔

اعمال باطنہ کے علم ہی کو تصوف کہتے ہیں، آجکل جس کو ''علم تصوف'' کہا جاتا ہے وہ بھی بہت سے علوم و معارف اور مکاشفات واردات کا مجموعہ بن گیا ہے، اس جگہ فرض عین سے مراد اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں اعمال باطنہ فرض و واجب کی تفصیل ہے مثلاً صحیح عقائد جن کا تعلق باطن سے ہے یا صبر و شکر، توکل، قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض عین ہیں۔ ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے یا غرور و تکبر، حسد و بغض، بخل و حرصِ دنیا وغیرہ جواز روئے قرآن وسنت حرام ہیں، ان کی حقیقت اور ان سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہے جو فرض عین ہے۔

پورے قرآن کریم کے معانی و مسائل کو سمجھنا اور تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن وسنت سے جو احکام و مسائل نکلتے ہیں، ان سب کا علم حاصل کرنا، اس میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آثار سے واقف ہونا۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں، اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ

سب علم حاصل کرلیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے ورنہ اس بستی کے سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ ہر بستی کے لوگوں پر لازم ہے کہ کم از کم ایک ایسا عالم دین اپنی بستی میں تیار کریں، جو اس بستی کی علمی اور دینی ضرورتوں کو پورا کر سکے اگر ایسا عالم تیار نہیں کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ حیدر آباد میں مدرسوں کا فقدان ہے۔ الحمد اللہ یہاں بعض مدرسے قائم ہوئے ہیں لیکن ابھی یہاں کی ضرورت کما حقہ پوری نہیں ہوئی۔

ریاض العلوم کی سرپرستی

مجھ سے میرے عزیزوں نے محبت اور تعلق کی بناء پر فرمایا ہے کہ ہم آپ کو جامعہ کا سرپرست مقرر کرتے ہیں قبول کرلو۔ سرپرست کیا، میں تو ایک طالب علم ہوں، اللہ جل شانہ میرا شمار طالب علموں میں فرمادے تو اس سے بڑا کیا مرتبہ ہے، میں تو طالب علموں کا خادم ہوں سرپرست ہونے کا تو کیا اہل ہوتا لیکن میں نے اس امید پر اس مدرسہ کے ساتھ اس تعلق کو غنیمت سمجھا کہ ممکن ہے اس کے ذریعے سے ہمیں کچھ موقع مل سکے اور اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کو توجہ دلا سکیں کہ حیدر آباد کے اندر اتنا بڑا خلا ہے جس کو پر کرنا ضروری ہے اس کے لئے کچھ سوچیں۔

یہ جامعہ عربیہ ریاض العلوم مجھے معلوم ہے کہ ابھی اس میں بالکل ابتدائی درجہ کی تعلیم ہے۔ قرآن کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم ہو رہی ہے اور درسگاہ دینیات میں ابتدائی کتابیں عربی زبان کی اور صرف ونحو کی پڑھائی جاتی ہیں۔ مجھے اس مدرسہ کے منتظمین سے رابطہ کا تعلق اور قلبی تعلق تو پہلے سے تھا لیکن ضابطہ کے تعلق کو میں نے اپنے لئے اس لئے غنیمت سمجھا کہ شاید اس جامعہ کو جو اس وقت ایک چھوٹا سا مکتب ہے اللہ تعالیٰ واقعی جامعہ

بنادے اور اس جامعہ کے خدام کی فہرست جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو تو اس سیاہ کار کا نام بھی اس فہرست کے آخر میں کسی گوشہ میں لکھا ہوا مل جائے جو میرے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔

یہ مکتب ہے مگر اس کا نام جامعہ ہے۔ عربی زبان میں جامعہ یونیورسٹی کو کہتے ہیں۔ کہاں یونیورسٹی کہاں پرائمری اسکول، پرائمری اسکول کا نام اگر یونیورسٹی رکھ دیا جائے تو لوگ کیا کہیں گے؟ ممکن ہی اس ابتدائی مدرسہ کا نام ''جامعہ'' دیکھ کر بعض حضرات ہنستے ہوں، لیکن میں تو اس کی یہ تاویل کرتا ہوں کہ جب طالب علم پڑھ رہا ہوتا ہے تو اس کو ''مولوی'' کہتے ہیں۔ نام نہیں لیتے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ یہ مولوی بن گیا ہے بلکہ یہ ہوتی ہے کہ آئندہ مولوی بننے والا ہے۔ یہ مدرسہ بھی ابھی جامعہ نہیں ہے زبانوں پر جامعہ کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلوں میں ڈالا ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو واقعی جامعہ بنادے اور بڑا دار العلوم بن جائے۔

نیشنلزم کا بُت

مجھے آپ سے جو بات کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اس حیدرآباد میں بدعات کا بہت زور ہو رہا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں، اتنی شدت سے بدعتیں پھیل رہی ہیں، جس کا اندازہ آپ حضرات کو مجھ سے بدر جہا زیادہ ہوگا، میں تو کراچی میں رہتا ہوں، لیکن وہاں بیٹھ کر حیدرآباد کے حالات پڑھ کر اور سن کر کڑھتا رہتا ہوں، یہ تو بدعتیں ہیں جو حرام ہیں مگر کفر نہیں۔

لیکن ایک اور بت اور اس کے ماتحت بہت سارے بت تراش لئے گئے ہیں۔ کراچی میں بھی اور حیدرآباد میں بھی اور کوشش یہ ہے کہ ان کی پوجا پاکستان کے تمام علاقوں میں شروع ہو جائے حیدرآباد اور کراچی میں تو ان کی پوجا شروع ہوگئی ہے۔

ایک بڑا خطرناک بت تراشا گیا ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں۔ اس طرح وہ کئی بت بن جاتے ہیں۔ یہ وہ بت ہے جس کو تاجدار دو عالم سرور کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پاش پاش کیا تھا۔ اس بت کو چکنا چور کیا تھا الحمدللہ کراچی میں علماء اس بت کو توڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ یہاں حیدر آباد میں اس بت کے خلاف موثر کاروائی شروع نہیں ہوئی اور وہ بت ہے قومی عصبیت کا بُت، قومیت کا بُت، کہیں مہاجر قومیت کے اور کہیں پنجابی قومیت کے نعرے اٹھ رہے ہیں، کہیں سندھی قومیت اور کہیں پختون قومیت کے نعرے لگ رہے ہیں یہ نیشنلزم ہے یہ قومیت کا مذہب ہے، قومیت کا دین ہے، اس کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس نیشنلزم کا حاصل یہ ہے کہ پنجابی پنجابی کا بھائی ہے، مہاجر کا بھائی نہیں، پختون پختون کا بھائی ہے سندھی کا بھائی نہیں، سندھی سندھی کا بھائی ہے بلوچ کا بھائی نہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم اور ایک علاقہ کے لوگ آپس میں حق پر ہوں یا باطل پر ایک دوسرے کی ہر صورت میں مدد کریں گے اور دوسری قوم کی ہر صورت میں مخالفت کریں گے یہ حاصل ہے اس نیشنلزم کا اور قومیت کے بت کا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ وطنی قومیت، صوبائی قومیت، لسانی قومیت، نسلی قومیت، قبائلی قومیت یہ تمام بت ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم مبارک سے کچلا تھا۔ اگر اسلام میں وطنی قومیت کی کوئی بنیاد ہوتی تو قرآن یہ اعلان نہ کرتا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ یعنی دنیا کے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، قرآن نے پوری دنیا کے اندر صرف دو قومیں بتلائی ہیں، مومن اور کافر تیسری کوئی قوم نہیں قرآن کریم میں ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾

(التغابن)

"وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پس تم میں سے کچھ لوگ کافر ہیں اور کچھ لوگ مومن ہیں"۔

اسلامی قومیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الکفر کُلُّہٗ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ کفر پورا کا پورا ایک ملت ہے چاہے وہ عیسائی ہوں، یہودی ہوں، ہندو ہوں، مجوسی ہوں، مشرک ہوں، بدھ مت کے لوگ ہوں کیمونسٹ ہوں، سوشلسٹ ہوں، یہ سب کے سب ایک ملت ہیں ان کی آپس میں کتنی ہی رقابتیں ہوں لیکن وہ اسلام کے مقابلہ میں ایک ہی ملت ہیں اور پوری دنیا کی تمام اقوام کے مقابلہ میں اسلام ایک ملت ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَۃٌ۔ قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ ملت دین کی بنیاد پر بنتی ہے جو کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللّٰہ کا قائل ہو وہ مومن ہے مسلمان ہے اور جو اس کلمہ کا منکر ہے وہ کافر ہے مشرک ہے اور جہنمی ہے اسلام اور مسلمان کا وہ دوست نہیں ہوسکتا، پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ بات واضح کردی گئی ہے۔

یاَاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الیَھُودَ وَ النَّصَارٰیٓ اَوْلِیَاء. اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ ان سے دوستی کرنا بھی ناجائز ہے، لوگ مسئلہ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر کسی کافر کے ساتھ کھانا کھانا پڑ جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں جائز ہے پانی پینا پڑجائے تو جائز ہے۔ خرید وفروخت کرنی پڑجائے، شراکت ومضاربت کرنی پڑجائے جائز ہے، لیکن یاد رکھئے کہ کسی کافر سے دوستی جائز نہیں، جب دوستی جائز نہیں تو بھائی بنانا کیسے جائز ہوجائے گا؟

پاکستان اسی بنیاد پر بنا تھا کہ کانگریس نے نعرہ لگایا تھا، "ہندو مسلم بھائی بھائی"

مسلم لیگ نے اور علماء کرام نے نعرہ لگایا ''مسلم مسلم بھائی بھائی'' ہندو مسلم بھائی بھائی نہیں ہو سکتے، اسی وجہ سے یہ پاکستان الگ بنا تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہے ہندو الگ قوم ہے ہندو کا وطن الگ ہوگا ہمارا وطن الگ ہوگا، یہی وہ دو قومی نظریہ ہے جس کو نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے اور اسی نظریہ پر پاکستان کا وجود قائم ہے۔

انتباہ

یاد رکھیئے کہ یہ پاکستان باقی رہے گا تو اسی نظریہ کی بنیاد پر باقی رہے گا اس نظریہ کو اس ملک سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ پاکستان ختم ہو جائے گا لیکن پاکستان کے دشمنوں نے، اسلام کے دشمنوں نے قومیت کے بت تراشے ہیں۔ مہاجر قومیت کا بت، پختون قومیت کا بت، ایک سندھی قومیت کا بت، پنجابی قومیت کا بت، بلوچ قومیت کا بت، یہ تمام بت ہیں اور یہ دعوت دی جارہی ہے کہ مہاجر اس بت کی پوجا کریں، پنجابی اس بت کی پوجا کریں۔ پختون اس بت کی پوجا کریں اور بلوچ اس بت کی پوجا کریں اور پرانے سندھی اس بت کی پوجا کریں۔

لاَاِلٰہ اِلّا اللّٰہُ مُحَمّد رسول اللّٰہ کا کلمہ پڑھنے والوں کی غیرت کو کیا ہوا ہے اس مشرکانہ دعوت کو کیوں نہیں ان کے منہ پر مار دیا جاتا، کیوں اس کے خلاف تبلیغ نہیں کی جاتی۔ یہ مشرکانہ نعرہ ہے، کافرانہ نعرہ ہے۔ اسلام کی بنیادوں کے خلاف ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نعرہ کے نتیجہ میں ملک کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ کے حیدر آباد کی معاشی حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی کراچی تباہی کے کنارہ پہنچ چکا ہے۔ یاد رکھئے کراچی ایک ایسا شہر ہے جو پورے ملک کی شہ رگ ہے، دشمن نے اس کراچی کو اپنا نشانہ بنایا ہے تاکہ قومیت کے فسادات ہوں۔ پیش نظر یہ ہے کہ کراچی کو تباہ کریں تاکہ پاکستان تباہ ہوئے۔

پاکستان اہل اسلام کی پناہ گاہ

یہ پاکستان ہم پر اللہ رب العالمین کی عظیم نعمت ہے۔ ہندوستان میں جن مسلمانوں پر مظالم ٹوٹے تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ برما کے مسلمانوں پر سوشلسٹوں نے مظالم ڈھائے ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ بنگلہ دیش میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تو وہاں کے بہاری بھائیوں کو پناہ پاکستان میں ملی۔ افغانستان میں مسلمانوں پر قیامت توڑی گئی تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی، ایران میں اب سنیوں پر مظالم ہو رہے ہیں تو ان کو پناہ پاکستان میں مل رہی ہے۔

لیکن پاکستانیو! تم یہ بھی سوچو کہ اگر خدانخواستہ اس پاکستان کو کچھ ہو گیا تو تمہیں پناہ کون دیگا؟ کہاں پناہ لو گے؟ تمہارے پاس سوائے سمندر کے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیا سعودی عرب تمہیں پناہ دے گا؟ وہاں تم ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہ سکتے۔ یہاں سے جانیوالوں کو اس کا تجربہ ہے کسی بھی اسلامی ملک میں تمہیں ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہنے دیں گے کیا ان میں سے کوئی پناہ دے گا کہ یہاں آجاؤ اور رہنے لگو۔ خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہو گیا تو سوائے سمندر میں ڈوبنے کے کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

دشمن اس حقیقت سے واقف ہے جو ہمارا بھی دشمن ہے پاکستان کا بھی دشمن ہے دین اور اسلام کا بھی دشمن ہے اس نے ہمارے اندر قومیت کے یہ بت ترشوا دیئے ہیں، لیڈروں نے اپنی لیڈری چمکانے کے لئے لوگوں کو اس دھندے میں لگا دیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کتنے عرصہ قبل یہ بات کہی تھی، عصبیت اور قومیت کے بارے میں کہ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن ہے اس کا وہ ملت کا کفن ہے

اسلامی اخوت ومحبت

یاد رکھئے اس فتنہ کا مقابلہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے کسی جماعت سے ہماری دشمنی نہیں، کسی شخصیت سے ہمیں عناد نہیں، ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان بلکہ ساری دنیا کے تمام مسلمان ہمارے بھائی ہیں، اگر کسی سندھی مسلمان کا کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں بے چین ہو جانا چاہیے، پنجابی یا پختون بھائی پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو ہماری رگ حمیت پھڑک جانی چاہئے کہ ایک مسلمان پر ظلم ہو رہا ہے، بھائی پر ظلم ہو رہا ہے۔ اگر مہاجر کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں اس کی مدد کے لئے دوڑنا چاہئے کیونکہ وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ تَعَاوَنوا عَلَی البِرِّ وَالتَّقویٰ ولا تَعَاوَنوا عَلی الاِثـمِ والعُدوان ۔ نیکی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور ظلم وگناہ میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، قرآن کریم نے دنیا کے سارے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا کر نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے، کسی بھی علاقے اور کسی بھی نسل کا مسلمان ہو وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے نیک کاموں میں ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے اُسے ظلم سے بچانا ہمارا فرض ہے ہاں ناجائز کاموں میں یا ظلم میں کسی کی بھی مدد کرنا خواہ وہ ہمارا بیٹا ہو یا قریبی رشتہ دار ہو حرام ہے لیکن یہ قومیت کا بت جسے نیشنلزم کہا جاتا ہے وہ اپنے پجاریوں کو یہ سکھاتا ہے کہ اپنے ہم وطن کی اور اپنی زبان بولنے والے کی ظلم میں بھی مدد کرو، دوسرے علاقوں کے لوگوں سے نفرت کرو اور ان پر جو بھی ظلم ڈھایا جائے وہ روا ہے۔

کراچی میں اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں تمام علاقوں کے مسلمان ہمیشہ پیار سے رہتے تھے۔ ہمیشہ شیر وشکر رہے ہیں، ہمارے دشمن نے یہ کام کیا کہ ہمیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا، جب جھگڑا کسی محلّہ میں ہو اور وہاں مثلاً کسی مہاجر کے مکان کو

کسی ظالم نے آگ لگادی۔ یہ اُس ظالم نے بہت بڑا ظلم کیا، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اپنے لئے جہنم کی آگ تیار کرلی، لیکن کیا اس کا انتقام کسی اور بے گناہ پنجابی بھائی سے یا پختون بھائی سے لینا جائز ہوگا؟ جس نے کسی پر ظلم نہیں کیا، اور نہ وہ اس ظلم کو درست سمجھتا ہے، بے چارہ بے گناہ ہے اسی طرح اگر کسی محلہ میں ہمارے پختون بھائی یا پنجابی بھائی پر ظلم ہوا تو کیا دوسرے محلے کے کسی بے گناہ مہاجر بھائی سے اس کا انتقام لینا جائز ہوگا؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں ایک ادنیٰ سمجھ والا مسلمان یہ بتائے کہ یہ جائز ہوگا؟ ظاہر ہے کہ آپ بھی یہی کہیں گے کہ ناجائز ہے حرام ہے، جس نے مکان جلایا ظالم وہ ہے، اس کو پکڑو، اس علاقہ کا دوسرا مسلمان بھائی یہاں رہتا ہے اس نے تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا، اس کو پکڑنا تمہیں کیسے جائز ہے؟ لیکن یہ قومیت کا بت کہتا ہے اپنی قوم کے آدمیوں کی مدد کرو۔ چاہے وہ ظلم کررہے ہوں تب بھی مدد کرو۔

اگر ہم اپنے بھائی کو اپنی برادری کے، اپنے قبیلہ کے، اپنے وطن کے آدمی کو ظلم کرتا ہوا دیکھ رہے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اس کو ظلم نہ کرنے دیں، اس لئے کہ وہ دنیا میں بھی رسوا ہوجائے گا اور آخرت میں بھی تباہ و برباد ہوجائے گا۔ مسلمان کی جان و مال اور آبرو کی بڑی قیمت ہے اللہ جل شانہ کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے اس کے بارے میں حدیث میں فرمایا کہ اس کی حرمت ایسی ہے جیسی حرمِ مکہ کی حرمت۔

آج اس قومیت کے بت نے ہمیں پاش پاش کرڈالا ہے، میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ آپ سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ڈنڈا بازی شروع کردیں، لڑائی جھگڑا شروع کردیں کہ اس سے ایک نیا جھگڑا کھڑا ہوجائے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کو گالی گلوچ شروع کردی جائے اور ان کے خلاف بیان بازی کا بازار گرم کردیا جائے نہیں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ لوگوں کے اندر اسلامی بھائی چارے کے جذبات کو زندہ کیجئے اسلامی اخوت اور برادری کی تعلیم دیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یاد دلایئے۔

آپ ان کو بتایئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضٰی رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین مکہ کے رہنے والے تھے، ان کی لڑائیاں کن سے ہوئیں؟ اپنے وطن کے لوگوں سے، مکہ مکرمہ کے کافروں سے، دیکھئے قوم تو ایک ہی ہے قریشی تھے، مکی تھے۔ ایک علاقہ اور ایک زبان کے تھے، ایک قبیلہ اور ایک معاشرت کے لوگ تھے لیکن جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول نہیں کیا۔ وہ دشمن سے بدتر ہوگئے اور جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول کرلیا۔ وہ بھائی بن گئے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن کو چھوڑ کر مہاجر بنے، مدینہ طیبہ پہنچے۔ وہاں کن کو بھائی بنایا؟ انصاریوں کو، وہ آپ کے وطن کے تھے؟ آپ کے قبیلہ کے تھے؟ آپ کی نسل کے تھے؟ نہیں بلکہ ایک نئی قومیت بنائی گئی اور اس نئی قومیت کی بنیاد اسلام ہے۔

ابولہب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اس کو تو مردود قرار دیا، ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش دادا کے انتقال کے بعد کی۔ وہ بھی کفر کی وجہ سے جہنمی قرار پائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے کس کو لگایا؟ زید بن حارثہؓ کو، حبشہ کے رہنے والے بلال حبشیؓ کو، فارس وایران کے رہنے والے مسلمان کو، روم کے باشندے صہیب رومیؓ کو، ان کو بھائی بنالیا اور جو اپنے خاندان اور قبیلہ کے کافر لوگ تھے، ان کی گردنیں کاٹیں اور ان کو قید کیا، معلوم ہوا کہ دنیا کے سارے مسلمانوں کی ایک برادری ہے ایک قومیت ہے اور دنیا کے تمام کافر اس برادری سے خارج ہیں۔

میری آپ سے درخواست ہے کہ خدا کے لئے محبت و پیار کے ساتھ بھائیوں کو سمجھائیں کہ کسی بھی علاقہ کا مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعویدار ہے اور

اسلام کے دائرہ کے اندر داخل ہے وہ بھائی ہے اس پر کوئی ظلم نہ ہونے دو، یاد رکھو! جو قدرت ہونے کے باوجود ظلم کو نہیں روکے گا اور کوتاہی کرے گا وہ بھی مجرم اور گنہگار ہوگا۔

ایک مرکزی ادارہ وشخصیت کی ضرورت

اگر یہ کام حیدر آباد میں ہوتا تو علماء کی طرف سے ہوتا۔ اور الحمدللہ یہاں علماء موجود ہیں، لیکن افسوس اسی کا ہوتا ہے کہ یہاں مرکزی ادارہ نہیں، مرکزی شخصیت نہیں، میری آپ سے درخواست ہے ان فتنوں کا مقابلہ کریں، یہ فتنے آج ہیں کل اور فتنے اٹھیں گے، ان فتنوں کا مقابلہ علمی طور پر علماء کو کرنا ہوتا ہے اس کے لئے یہاں ادارہ کی ضرورت ہے یہ ایک چھوٹا سا مکتب قائم ہوا ہے، اللہ کے بھروسہ پر کچھ لوگوں نے کام شروع کر دیا ہے۔ بے سروسامانی میں شروع کیا ہے لیکن مسلسل محنت وکوشش سے انشاء اللہ یہ مدرسہ ترقی کر جائے گا۔ ؎

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

جن لوگوں نے یہ کام شروع کیا ہے۔ آپ ان کے ساتھ لگ جایئے۔ یہ مسجد ومدرسہ کا کام ایسا ہی ہے جیسے مسجد نبوی اور صفہ کا کام تھا۔ مسجد نبوی سب سے پہلی مسجد اور صفہ سب سے پہلا مدرسہ، اسی طرح یہ مسجد ومدرسہ ہے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کا سامان کر دیا ہے میری درخواست ہے کہ اس مدرسہ کو آگے بڑھائیں۔

ستم ظریفی

آج کل ایک افتاد یہ ہے کہ اوّل تو عام لوگوں کو ان مدرسوں کی طرف دھیان کم ہوتا ہے اور جن حضرات کو ان مدرسوں کی امداد کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ وہ بھی صرف مالی

چندہ دے کر فارغ ہو جاتے ہیں، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں تعلیم نہیں دلواتے، بلکہ انتظار کرتے ہیں کہ ان مدرسوں میں پڑھنے کے لئے طلبہ کسی اور شہر یا ملک سے آ جائیں۔ اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دلواتے الا ماشاء اللہ۔

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے بچے کو دینی تعلیم میں لگایا تو کمائے گا کیا؟ کھائے گا کیا؟ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے اخبارات میں ایسی خبریں تو بہت ساری پڑھی ہیں کہ فلاں گریجویٹ نے بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ آپ نے بھی بہت ساری خبریں پڑھی ہوں گی، آپ نے یہ خبر بھی سنی ہے کہ فلاں مولوی صاحب نے بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کر لی ہے۔ یہ خبر آپ نے کبھی نہیں سنی ہوگی۔ اور میں نے بھی نہیں سنی، حضرت والد صاحبؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ "مَن کانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے، اللہ کے بھروسہ پر اپنی اولاد کو علم دین میں لگائیے، یہ کافی نہیں کہ اپنے بچوں کو اسکول اور کالج میں پڑھائیں اور دوسروں کے بچوں کو یہاں پڑھائیں اسکول اور کالج میں پڑھانا کوئی گناہ نہیں ہے، ہمارے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو لڑکے دیئے ہیں تو اُن میں سے ایک کو تو علم دین کے لئے لاؤ۔

بچوں کا چندہ

لیکن اب ہوتا کیا ہے؟ کہ "مری بھیڑ اللہ کے نام" میں ایک جگہ جمعہ کی نماز پڑھاتا تھا، بہت عرصہ تک جمعہ کی نماز پڑھاتا رہا، اور نماز سے پہلے وعظ کرتا تھا کئی سال گذرنے کے بعد میں نے کہا کہ بھئی سنو، لوگ کہتے ہیں کہ مولوی جہاں بھی جاتا ہے چندہ کرتا ہے، میں نے کہا اتنے سال سے تمہارے یہاں جمعہ کی نماز پڑھا رہا ہوں، میں نے

کبھی کوئی چندہ مانگا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ کبھی نہیں اشارۃً بھی نہیں مانگا، میں نے کہا آج میں آپ سے چندہ مانگوں گا اور وہ چندہ ایسا ہے کہ کسی نے آپ کے محلّہ میں نہیں مانگا ہوگا وہ چندہ ہے بچوں کا اور میں نے یہی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو دو بچے دیئے ہیں ان میں سے ایک کو علم دین میں لگادیں۔

سننے والوں پر تقریر کا بڑا اثر معلوم ہوا، چنانچہ اگلے دن ایک صاحب اپنے ایک بچہ کو لے کر کورنگی۔ (دارالعلوم کراچی) پہنچے، بڑے مالدار اور لاکھوں کا کاروبار کرنے والے تھے، انہوں نے کہا کہ آپ کی تقریر میں کل میں بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جذبہ پیدا کیا، میں اس بچہ کو لایا ہوں اور یہ آپ کے سپرد ہے، تقریباً چھ سال کا بچہ تھا۔ ہم نے کہا کہ اس کا امتحان داخلہ ہوگا، انہوں نے کہا، نہیں نہیں، بس اس کو داخل کریں، اس کی رہائش وطعام کا انتظام بھی کریں اور اس کو علم دین پڑھائیں، میں آپ سے نہیں پوچھوں گا کہ آپ نے کیا پڑھایا ہے اور کیا نہیں پڑھایا ہے۔ مجھے آپ پر اطمینان ہے اور جو کچھ خرچہ ہوگا میں دوں گا اور کچھ پیسے بھی کھانے پینے اور کپڑوں کی دھلائی وغیرہ کے لئے جمع کراگئے۔ اتنے چھوٹے بچہ کو دارالعلوم میں رکھنے کا باقاعدہ انتظام نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے مجبوراً اسے اپنے گھر رکھ لیا۔ دو تین دن اس کے ساتھ محنت کی، کبھی بستر پر پیشاب کردیتا ہے کبھی پاخانہ کردیتا ہے، کبھی کوئی چیز اٹھا کر توڑ دی، کبھی کوئی، تین چار دن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تو پاگل ہے پھر بعد میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس بچہ کے تو ماں باپ بھی اس سے عاجز آئے ہوئے تھے اور اس کو گدوبندر کے پاگل خانہ میں لیجانا طے ہوا تھا۔ ان سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا کہ پاگل خانہ میں داخل کرائیں، اس لئے دارالعلوم میں داخل کرادیا۔

یہ تھی وہ ''مری بھیڑ اللہ کے نام کی'' جو علم دین کیلئے نکالی گئی۔ یہ خدا کا دین ہے۔ مذاق نہیں ہے، آخرت میں جوابدینا ہے، زندگی کا ہر قدم ہمیں قبر کی طرف لیجارہا ہے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا منہ دکھانا ہے، وہاں ان کی شفاعت اور سفارش کے بغیر

کسی کی نجات نہیں ہوگی ہم نے اسلام کا نام بہت لیا ہے، خدا کیلئے قدم بڑھایئے، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں داخل کیجئے آپ اپنے بچوں کو دینی مدرسہ میں داخل کریں گے تو آپ کو یہ فکر بھی ہوگی کہ مدرسہ کا معیار بھی بہتر ہو اس طرح انشاء اللہ مدرسوں کا معیار بھی بہتر ہوگا۔

مدرسہ اور احسان

ایک مصیبت اور ہے کہ اوّل تو مدرسہ میں چندہ دینے میں ہچکچاہٹ بہت ہوتی ہے اور اگر چندہ دیتے ہیں تو چندہ دینے والے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مہتمم صاحب کی ذات پر احسان کر دیا ہے مہتمم پر کیا احسان ہے؟ بلکہ مہتمم کا تمہارے اوپر احسان ہے کہ تمہارے چندہ کو اس نے صحیح مصرف پر لگا دیا، اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو اپنی زکوٰۃ وخیرات کے صحیح مصرف تلاش کرتے پھرتے۔

مدرسوں کا معاملہ آجکل اتنا مشکل ہو گیا ہے کہ واقعۃً جب کوئی اخلاص کے ساتھ مدرسہ قائم کرتا ہے تو اسے ہی پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ چلانا کتنا مشکل کام ہے، بات لمبی ہو رہی ہے۔ آپ حضرات تھک بھی گئے ہوں گے، لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ جب اتنی دور سے آیا ہوں، اپنے دل کی کچھ باتیں آپ سے کہوں تو سہی۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک عالم تشریف لائے وہ کراچی میں ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ کراچی میں پہلے سے بڑے بڑے مدرسے قائم ہو چکے تھے۔ اب یہ مزید ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت کر دیجئے۔ دعا فرما دیجئے حضرت مولانا بنوریؒ نے فرمایا دعا تو میں آپ کیلئے کروں گا اور نصیحت آپ کو کیا کروں، آپ خود عالم ہیں۔ لیکن ایک بات کہتا ہوں کہ یہ مدرسہ آخرت کے لئے قائم کرنا چاہتے ہو تو دنیا کی اس سے بڑی کوئی مصیبت

نہیں، اور اگر دنیا کے لئے قائم کرنا چاہتے ہو تو آخرت کی اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں، کتنے لوگوں کا چندہ ہوتا ہے اگر وہ ناجائز طریقہ سے خرچ کردیا تو آخرت میں اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی، کس کس کا جواب دوگے؟

جو خلوص کے ساتھ مدرسہ چلانا چاہتا ہے، اس کو ایک مصیبت نہیں اٹھانی پڑتی بہت سی اٹھانی پڑتی ہیں، اوّل چندہ جمع کیا پھر کسی نہ کسی طریقے سے مدرسہ کی تعمیر ہوئی، ایک ایک پیسہ جوڑا، کام کیا، کہیں سے مدرس کو لایا، کہیں سے طالب علموں کو لایا، کہیں سے تعمیر کا انتظام کیا، تب جا کر مدرسہ چلا۔

تہمت تراشی

اور دوسرے لوگ جو کام کرنے کے عادی نہیں، بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ کام کرنیوالے کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور طرح طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں کہ مہتمم صاحب کے بڑے مزے آرہے ہیں، اتنے لاکھ فلاں کھا گیا اور اتنے ہزار فلاں نے کھالئے۔ الٹے سیدھے بہتان لگا کر مخلص اللہ والوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

اردو دانوں اور بستی والوں کی محرومی

کراچی میں بہت سے لوگ اپنے اپنے محلے کی مسجد کے لئے امام اور خطیب مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی تنخواہ دیں گے، مکان دیں گے، لیکن ایک شرط ہے کہ اس کی مادری زبان اردو ہو، کیونکہ سارا محلّہ اردو بولنے والوں کا ہے، اردو میں بات کرنیوالا ہوگا تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ بات بلاشبہ درست ہے، لیکن میں ان سے کہتا ہوں کہ تمہیں اردو زبان والا آدمی کیسے دیدوں اردو زبان بولنے والوں نے اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے مدرسہ میں بھیجا تھا؟ عالم دین بنایا تھا، تمہارے محلّہ میں کسی نے اپنے بچہ کو مولوی بنوایا ہے؟

دار العلوم میں تقریباً ڈیڑھ درجن ممالک کے طلبہ پڑھ رہے ہیں اور پاکستان کے بھی تمام علاقوں کے طلبہ زیر تعلیم ہیں، لیکن سب سے کم آٹے میں نمک کے برابر اردو بولنے والے ہیں تو میں تمہیں اردو بولنے والا امام وخطیب کیسے دیدوں، خدا کے لئے آپ سوچئے، کہ اگر آپ اپنے اندر علماء تیار نہیں کریں گے تو آپ کی ساری بستیاں ویران ہو جائیں گی، پڑھ پڑھ کر علماء اپنے اپنے علاقوں میں چلے جائیں گے، مدرسہ ہونے کے باوجود آپ کی بستی علماء سے محروم رہے گی اپنے بچوں کو اس طرف متوجہ کیجئے جو حضرات مدرسہ چلا رہے ہیں ان کے ساتھ تعاون کیجئے، روپیہ پیسہ سے اگر تعاون کر سکتے ہیں اس سے کیجئے، عملی کوئی مدد کر سکتے ہیں وہ کیجئے، اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم زبان ہی سے مدد کیجئے، ان کی ہمت بڑھایئے کہ اچھا کام کر رہے ہو، اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالئے۔

اگر انسان نہ بنے تو درندہ بھی نہ بنے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان تو بہت بڑی چیز ہے، لیکن اگر کوئی جانور ہی بننا چاہے کہ کھانے پینے کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو تو جانوروں کی تین قسمیں ہیں کہ ایک قسم ان جانوروں کی ہے جن کا نفع ہی نفع ہے، جیسے بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، ان کی ہر چیز سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، بالوں سے، کھال سے، گوشت سے، ہڈیوں سے، اوجھڑی سے، گوبر سے، اس کی سب چیزوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو نفع نہیں پہنچاتے تو نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔

جنگلوں اور سمندروں میں بہت سے ایسے جانور ہیں جو نہ درندے ہیں کہ نقصان پہنچائیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں۔

تیسری قسم کے جانور وہ درندے ہیں جو دوسروں کو نقصان ہی پہنچاتے ہیں، نفع

کچھ نہیں پہنچاتے، جس کو دیکھا پھاڑ کھایا۔

امام غزالی ؒ فرماتے ہیں کہ اصل منصب تو یہ تھا کہ تم انسان بنتے، جو بہت اعلیٰ درجہ ہے علماء بنتے، اللہ والے بنتے، لیکن اگر تمہیں جانور ہی بننا ہے تو پہلی قسم کے جانور بن جاؤ، پہلی قسم کے نہیں بن سکتے تو کم از کم دوسری قسم کے تو بن جاؤ، لیکن تم تو تیسری قسم کے جانور بننا چاہتے ہو، درندہ بننا چاہتے ہو۔

مدرسے سے تعاون کی اپیل

خیر خلاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا مدرسہ بہت سی امیدوں کیساتھ اللہ والوں نے قائم کیا ہوا ہے آپ حضرات سے درخواست ہے بلکہ یہ آپ کے فرائض میں داخل ہے کہ حیدرآباد میں ایک معیاری مدرسہ جو اس شہر کی دینی ضروریات کو پورا کر سکے ہونا چاہیے، اور یہاں کے لوگوں کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم دین کی خدمت کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ اور جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہین ان کے ساتھ تعاون کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین
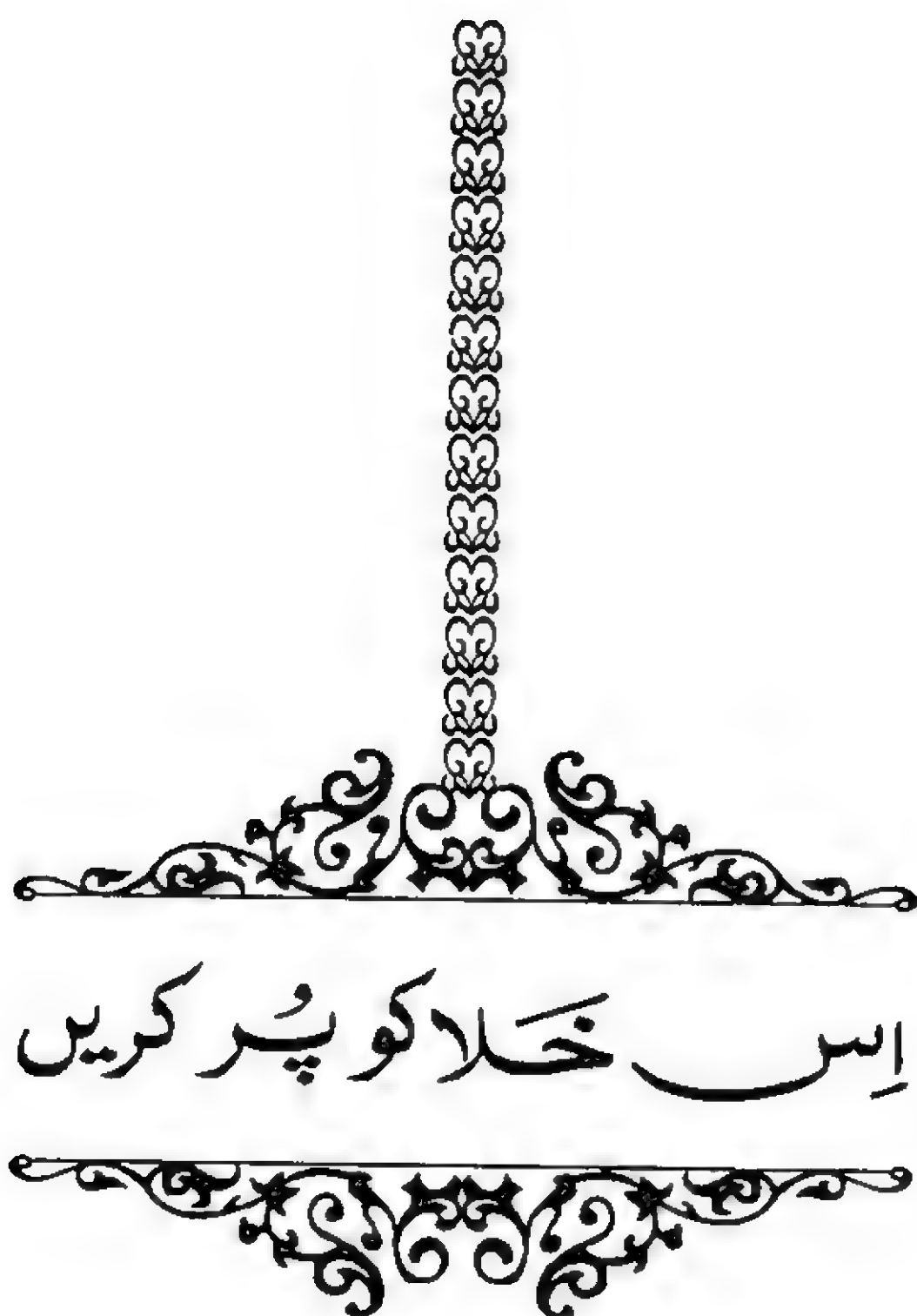
اِس خلا کو پُر کریں

خطاب حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ ۱۲اپریل۲۰۰۴ء بیان برائے طلبہ

ترتیب وعنوانات اعجاز احمد صمدانی

﴿اِس خلا کو پُر کریں﴾

جامعہ دارالعلوم کراچی کے طلبہ سے کیا گیا فکر انگیز خطاب

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰـہ اِلَّا اللّٰـہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ. صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً

امابعد!

فأعوذ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم. بسمِ اللّٰہ الرحمن الرحیم.

﴿اِنَّما یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ

غَفُوْرٌ﴿﴾ (فاطر:۲۸)

تمہیدی کلمات:

عزیز طلبہ کرام!

آپ سے خطاب کے لئے بار بار ارادہ ہوتا ہے لیکن مشاغل کی وجہ سے ٹل جاتا ہے۔ البتہ اگر سننے والوں کی طرف سے تقاضا ہوتا رہے تو ہمارا دھیان بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح وقت نکالیں اور اگر طلبہ یاد دہانی نہیں کراتے تو ہم سمجھتے ہیں کہ چلو ہماری بھی چھٹی ہوئی۔ چھٹی کا تو ہر ایک کو شوق ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اس کا شوق ہے۔ طالب علم تو ہم بھی ہیں کیونکہ طالب علمی تو کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔

اب کچھ طلبہ نے یاد دہانی کرائی اور قیم صاحبان تو یاد دہانی کراتے رہتے ہیں تو اللہ کے نام پر ہم نے آج خطاب کرنے کا ارادہ کیا۔

ہم دھوپ میں کھڑے ہیں:

عزیز طلبہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے بڑے ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ ہمارے والد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہوا۔ اس کے ایک سال بعد مولانا اکبر علی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ پھر مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے۔ لیکن اس کے بعد بھی الحمد للہ، ہمارے یہاں اکابر موجود تھے۔ حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لیکن پچھلے چند سالوں کے اندر یہ سب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ اب ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ ہم دھوپ میں کھڑے ہیں۔ ہمارے اوپر سے سایہ ختم ہو گیا ہے۔

میرے دل پر چوٹ لگتی ہے:

رجسٹر حاضری جس پر اساتذہ کرام دستخط کرتے ہیں۔ اس میں اساتذہ کا نام قدامت اور بزرگی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک جب وہ رجسٹر ہمارے پاس دستخط کے لئے آتا تھا تو اس میں میرا نام پانچویں نمبر پر ہوتا تھا۔ سب سے اوپر قاری رعایت اللہ صاحب، پھر حضرت مولانا غلام محمد صاحب، پھر حضرت مولانا سبحان محمود صاحب کا، پھر حضرت مولانا شمس الحق صاحب اور پانچویں نمبر پر ہمارا نام ہوتا تھا۔ پھر چوتھے نمبر پر آیا، پھر تیسرے نمبر پر آ گیا، پھر دوسرے نمبر پر آیا۔ اب پہلے نمبر پر ہمارا نام ہے۔ کسی کو خوشی ہوتی ہوگی کہ ہمارا نام سب سے پہلے آیا لیکن یہ رجسٹر جب میرے سامنے آتا ہے تو میرے دل پر چوٹ لگتی ہے۔

﴿كَبَّرَنِي مَوْتُ الْكُبَرَاءِ﴾

''بڑوں کی موت نے مجھے بڑا بنا دیا۔''

یہ کشتی بھی کنارے لگنے والی ہے:

اور اب میرا حال بھی یہ ہے کہ اس سال کے جمادی الاولیٰ سے ہجری سالوں کے اعتبار سے میری عمر کے ستر سال پورے ہو جائیں گے۔ یہ بہت لمبا عرصہ ہے تقریباً دو تہائی صدی بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت زندگی دی اور اس کا کرم ہے کہ وہ کام لے رہے ہیں۔ دعا ہے اور آپ بھی میرے لئے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ معذوری سے بچائیں۔ جب تک زندگی ہے اپنے سوا کسی کا محتاج نہ کریں۔ چلتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ ہمیں اٹھا لے۔

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت اہتمام سے یہ دُعا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ! مجھے معذوری سے بچا لیجئے۔ کسی کا محتاج نہ بنایئے۔ چلتے ہاتھوں پیروں اٹھا لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور ایسے اٹھایا کہ چند منٹ میں رخصت ہو گئے۔ بالکل درست تھے، دفتر میں آئے تھے۔ دوسرے گھنٹے میں میرا سبق ہوتا تھا، تیسرے اور چوتھے گھنٹے میں وہ بخاری شریف پڑھاتے تھے۔ پہلے دفتر آتے تھے، اور پھر وہاں سے سبق میں آتے تھے۔ میں سبق پڑھا رہا تھا۔ گھنٹہ ختم ہو رہا تھا۔ میں اس فکر میں تھا کہ گھنٹہ ختم ہو رہا ہے۔ ابھی استاذ آئیں گے لیکن ان کی بجائے قاری عبدالملک صاحب آئے اور یہ اطلاع دی کہ حضرت کا انتقال ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی کا محتاج نہیں بنایا اور ہماری بھی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معذوری سے بچائے مگر بہرحال ہم یہ بتا رہے ہے کہ اب یہ کشتی بھی کنارے لگنے والی ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ رب العالمین کا کب پیغام آ جائے؟

اس خلا کو پر کرنا ہمارے لئے آسان نہیں رہا:

اب یہ بات سوچنے کی ہے کہ ہمارے بزرگ اٹھ گئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو ایسے سلب نہیں کر لیتا کہ کسی عالم کے دل سے علم کھینچ لیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ علم کو واپس لیتا ہے علماء کو واپس لے کر۔ ان کے بعد جو جانشین ہوتے ہیں وہ ان جیسے نہیں ہوتے۔ ان کے پاس اتنا علم، اتنی تحقیق، اتنا تقویٰ اور اتنی فکر نہیں ہوتی۔ البتہ بعض اوقات ایسے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو پہلوں سے زیادہ اونچے ہیں لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ جو بزرگ رخصت ہوتے ہیں، ان کی تلافی بعد کے لوگوں سے نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا سحبان محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال سے دارالعلوم میں ایک

زبردست خلا پیدا ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کام چلا دیا۔ ان کی کچھ ذمہ داریاں مولانا شمس الحق صاحب نے سنبھال لیں، کچھ مولانا تقی عثمانی صاحب نے سنبھال لیں، کچھ ہم لوگوں نے سنبھال لیں، لیکن حضرت مولانا شمس الحق صاحب کی وفات کے بعد اس خلا کو پُر کرنا ہمارے لئے آسان نہیں رہا۔ اسباق میں بھی خلا پیدا ہوا ہے اور انتظامی کاموں میں بھی خلا پیدا ہوا ہے۔ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس خلا کو آسانی اور بہتری کے ساتھ پُر فرما دیں۔

کیا ہماری پیداوار اس قابل ہے؟

یہ سب باتیں میں آپ کو اس لئے سنا رہا ہوں کہ اب آپ لوگوں کو تیاری کرنی ہے۔ جانے والوں کی جگہ آپ لوگوں کو لینی ہے۔ آپ کے اساتذہ آپ کے ساتھ جو محنتیں کر رہے ہیں، وہ بھی اسی لئے کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے یہی سلسلہ چلا ہے کہ بڑوں نے رخصت ہونے سے پہلے اپنے چھوٹوں کو تیار کیا تاکہ وہ ان کی جگہ لے سکیں۔ چنانچہ جب رخصت ہوئے تو چھوٹوں نے ان کی جگہ لے لی۔ جب وہ چھوٹے بڑے ہوئے تو انہوں نے اپنے چھوٹوں کو تیار کیا تو جب وہ رخصت ہوئے تو ان کے چھوٹوں نے ان کی جگہ لے لی۔ اب ہم بھی یہی کام کر رہے ہیں۔ آپ کو تیار کرنے کی فکر اور کوشش میں ہیں۔ اب اس بات کا جائزہ لینا آپ کا کام بھی ہے اور ہمارے سب اساتذہ کرام اور ہمارا بھی کہ جو پیداوار ہم تیار کر رہے ہیں، آیا وہ اس قابل ہے کہ ان ذمہ داریوں کو سنبھال لے جو بڑے ہمارے سپرد کر کے رخصت ہوئے ہیں۔

بچپن سب کا ایسا ہوتا ہے:

یاد رکھئے! صحابہ کرام سے لے کر اب تک جتنی عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔ وہ اپنے بچپن میں ایسے چھوٹے ہوتے تھے جیسے آپ ہیں۔ ان میں سے کسی کو خبر نہیں تھی کہ

ان میں سے کوئی امام ابوحنیفہ بنے گا اور کون امام مالک، کون امام شافعی بنے گا اور کون امام احمد بن حنبل، کون رازی بنے گا کون غزالی، کون فارابی بنے گا اور کون ابن سینا، کون مولانا جامی بنے گا اور کون مولانا رومی، کون بایزید بستامی بنے گا اور کون حافظ شیرازی جب بن جاتے ہیں تو لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ بن گیا۔

ابھی سے تیاری کریں:

اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو فکر کرنی چاہیے کیونکہ آپ پر ذمہ داریاں آنے والی ہیں۔ آپ میں سے بہت سے طلبہ دورۂ حدیث میں پڑھتے ہیں، فارغ ہوتے ہی ان پر ذمہ داریاں آجائیں گی، کچھ تخصص کے طلبہ ہیں، وہ فارغ ہوں گے تو ان پر اور ذمہ داریاں آجائیں گی۔ کوئی استاذ ہوجائیں گے اور کوئی مفتی ہوجائیں گے، کوئی مصنف ہوجائیں گے اور کوئی واعظ بن جائیں گے اور کچھ لوگ مدرسوں کے ذمہ داران بن جائیں گے۔ ابھی سے آپ لوگ محنت اور کوشش کریں گے اور یہ تیاری مکمل ہوگی تو انشاء اللہ تم بڑوں کی جگہ لے لوگے۔ کوئی یہاں جگہ لے گا کوئی اپنے شہر میں جگہ لے گا اور کوئی کسی اور شہر میں جاکر اپنے بڑوں کی جگہ لے گا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ کارواں رواں دواں رہے گا۔

علم بڑا غیور ہے:

ہمارے اس قافلے کے امام رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ قافلہ جنت کی طرف رواں دواں ہے۔ ہم بھی اسی قافلے کے شرکاء ہیں۔ آپ بھی اسی قافلے کے شریک ہیں۔ یاد رکھئے کہ اس قافلے کے شرکاء کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ یہ بہت کٹھن ہے، قربانیوں اور مجاہدوں کا راستہ ہے۔ جس علم کو حاصل کرنے میں آپ لگے ہوئے ہیں۔ یہ

آسانی سے نہیں ملتا، بڑی سخت محنت چاہتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ملفوظ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہم طلبہ کو بار بار سنایا کرتے تھے کہ:

﴿أَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيكَ بَعْضَهُ حَتّٰى تُعْطِيَهُ كُلَّكَ﴾

''علم اُس وقت تک تمہیں اپنا ایک ذرہ بھی نہیں دے گا، جب تک تم اپنا سب کچھ اُسے نہ دے دو۔''

علم بڑا غیور ہے، جو شخص اس علم سے استغناء برتتا ہے، علم اس کے پاس نہیں جاتا، اس سے دور رہتا ہے۔ جو علم کا محتاج بن کر اس کے پاس آتا ہے تو علم اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر تم اپنی ساری توانائیاں، صلاحیتیں اور کوششیں علم کے سپرد کر دو گے تو پھر علم اپنا کچھ حصہ تم کو دے دے گا ورنہ کچھ حصہ بھی نہیں ملے گا۔

ایسا ہرگز نہ ہوگا:

جو طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اور بھی بہت سارے کام کرتے رہیں گے اور علم بھی مل جائے گا تو ان کا یہ خیال غلط ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سونا اور کھانا پینا بھی چھوڑ دیا جائے۔ علم کے لئے تو سونے کی بھی ضرورت ہے اور کھانے پینے کی بھی پانچوں وقت کی نماز تو فرض ہی ہے اس کے علاوہ ضروری عبادات کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ جسمانی ورزش کی بھی ضرورت ہے تاکہ صحت ٹھیک رہے اس لئے عصر سے مغرب کے درمیان اس کا وقت بھی دیا جاتا ہے اور اس کے لئے باقاعدہ ایک میدان بھی تیار کیا گیا ہے، یہ سب علم کیلئے کوشش میں داخل ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ناولیں بھی پڑھتا رہے گا، ٹی وی کے تفریحی پروگرام بھی دیکھتا رہے گا، بازاروں اور ہوٹلوں میں بھی اپنا وقت ضائع رہے گا اور پھر علم بھی حاصل کرے گا تو یاد رکھئے! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

ایک دن کے ناغے سے چالیس دن کا نقصان:

بلا ضرورت اور سخت مجبوری کے بغیر ناغہ کرنے والے طالبعلم کو علم نہیں ملے گا، ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علامہ زرنوجی کے حوالے سے کسی بزرگ (غالباً صاحب ہدایہ) کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ایک دن کے ناغے سے چالیس دن کا نقصان ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک دن سے چالیس دن کا نقصان کیسے ہوا؟ ناغہ تو صرف ایک دن کے اسباق کا ہوا، اس سے پچھلے دن کا سبق بھی پڑھا اور اگلے دنوں کے اسباق بھی پڑھے ہیں۔ تو سمجھ لیجئے اس ناغہ کی وجہ سے تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے شیشہ اگر ایک جگہ سے ٹوٹ جائے اور پھر آپ اس کو جوڑ دیں تو اگرچہ جڑ تو جائے لیکن اس کے اندر عیب تو باقی رہے گا، تو جو آپ نے بلاضرورت ناغہ کیا یہ بھی ایسے ہے جیسے شیشہ ٹوٹ گیا۔ استاذ نے تو سبق پڑھایا لیکن آپ اس میں حاضر نہیں ہوئے۔ ہاں اگر استاذ نے بھی سبق نہیں پڑھایا تو پھر اس کا اتنا نقصان اور ایسی بے برکتی نہیں ہوتی۔ بے برکتی اس ناغے سے ہوتی ہے جس میں استاذ کا سبق ہوا اور پھر شدید مجبوری کے بغیر ناغہ کر دیا۔ اگر مجبوری واقعۃً شدید ہو تو پھر اللہ کے کرم سے امید ہے کہ انشاء اللہ بے برکتی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو محروم نہیں کرتا جو اپنی پوری کوشش کرتا ہے مگر بیماری یا کسی شدید مجبوری کی وجہ سے ناغہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے طالبعلم کے نقصان کی تلافی کرا دیتے ہیں۔

جو طالب علم شدید مجبوری کے بغیر ناغہ کرتا ہے، وہ دراصل اپنے اساتذہ کو بھی دھوکہ دے رہا ہے، اپنے والدین کو بھی دھوکہ دے رہا ہے اور جتنے لوگ اُسے طالب علم کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں ان سب کو دھوکہ دے رہا ہے کیونکہ ایسا طالب علم دراصل طالب علم نہیں ہے۔ وہ دھوکے باز ہے۔

ایک لطیفہ:

ایک صاحب زادے تھے، کچھ کام نہیں کرتے تھے، پڑھتے بھی نہیں تھے، گھر میں پڑے رہتے تھے۔ والد نے کئی بار سمجھایا لیکن ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ والد صاحب سمجھاتے رہے۔ آخر ایک دن صاحبزادے صاحب نے پوچھا کہ پڑھنے کا کیا فائدہ ہوگا؟ والد صاحب نے کہا کہ پڑھ لوگے تو قابل ہو جاؤ گے۔ سند مل جائے گی۔ بیٹے نے کہا کہ سند مل جانے کا کیا فائدہ ہوگا؟ والد نے کہا کہ کہیں اچھی ملازمت مل جائے گی۔ بیٹا بولا، پھر کیا ہوگا؟ والد نے کہا کہ پھر اچھی تنخواہ ملے گی۔ بیٹا بولا: پھر کیا ہوگا؟ باپ نے کہا کہ تم شادی کر لینا اور مکان بنا لینا۔ بیٹا بولا تو پھر کیا ہوگا۔ باپ نے کہا کہ پھر عیش سے زندگی گذارنا۔ یہ سن کر بیٹے نے کہا کہ اب کیا کر رہا ہوں! یہی عیش کی زندگی تو اب بھی گذار رہا ہوں تو پھر اتنی محنت کی کیا ضرورت ہے؟

بعض بے وقوف طالب علم اس طرح اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں اور باتیں بنا بنا کر والدین کو خوش کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ ایسے طلبہ کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ آپ توجہ کریں گے تو بہت سے ایسے لوگ آپ کے ذہن میں آ جائیں گے جنہوں نے اپنی زندگی اس طریقے سے برباد کر دی اور آج وہ تکلیف اور بے کاری کی زندگی گذار رہے ہیں۔ یہ بڑے خسارے کی بات ہے کہ ایک طالب علم اپنے گھر کو بھی چھوڑے، والدین کو بھی چھوڑے، وطن کے آرام و راحت کو بھی چھوڑے، یہاں رہ کر طالب علمی کے مجاہدے بھی کرے لیکن پھر بھی علم حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔

اکابر دیو بند کی نمایاں خصوصیات:

ہمارے علماء دیو بند کی خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت علم کی پختگی تھی۔

علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی مہارت عطا فرمائی تھی کہ دوسروں پر ان کے علم کا رعب تھا۔ دوسرے فرقے کا بڑے سے بڑا عالم دارالعلوم دیو بند کے فارغ التحصیل کے سامنے آتے ہوئے ڈرتا تھا۔

علم کی اس پختگی کے ساتھ اخلاص، تقویٰ، خشیت، للھیت اور باطنی کمالات کا یہ حال تھا کہ ہمارے مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیو بند کا وہ دور دیکھا ہے جب یہاں کے صدر مدرس سے لے کر چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔ دن میں دارالعلوم دیو بند ایک درسگاہ ہوتی تھی، رات کو خانقاہ بن جاتی ہے۔ تہجد کے وقت طلبہ اور اساتذہ اٹھتے تھے۔ کمروں سے رونے کی آوازیں آتی تھیں۔ گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں مانگتے تھے۔

ذکر قلبی کے عجیب واقعات:

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیو بند کے صدر مدرس رہے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استادوں میں سے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ملفوظ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب سبق پڑھاتے تھے تو انکے ذکر قلبی کی آوازیں ہم سنتے تھے۔

ہماری دادی مرحومہ جنکی قبرستان یہاں دارالعلوم میں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس قبرستان میں سب سے پہلی قبر ہماری دادی مرحومہ کی ہے۔ یہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھیں۔ ہم نے برس ہا برس ان کے ساتھ زندگی گذاری ہے۔ ان کا حال ہم نے دیکھا کہ وہ سو رہی ہوں تب بھی، جاگ رہی ہوں تب بھی، بول رہی ہوں تب بھی اور خاموش ہوں تب بھی ان کے گلے سے رگ ہلتی رہتی تھی

اور اس سے ''اللہ، اللہ'' کی آواز آتی رہتی تھی۔ ہر وقت یہ ذکر جاری تھا۔ انہوں نے اپنی جوانی میں نجانے کتنا ذکر کیا ہوگا کہ اس کی وجہ سے یہ کیفیت بن گئی تھی کہ ان کا ارادہ ہو یا نہ ہو، ہر وقت ''اللہ اللہ'' کا ذکر جاری رہتا ہے۔ جس کی یہ مرید تھیں اس بزرگ کا کیا حال ہوگا۔

وہی طریقہ سنت کے زیادہ قریب ہے:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک حجام آیا کرتا تھا۔ حضرت کے بال بھی کاٹا کرتا تھا۔ ان پڑھ تھا۔ ایک مرتبہ اس کا سہارنپور جانا ہوا۔ سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رہتے تھے۔ آپ سنن ابی داؤد کی مشہور شرح ''بذل المجہود'' کے مصنف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حدیث میں یہ مقام دیا کہ عرب اور عجم میں آپ کی اس شرح کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ یہ حجام حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں اس کو کوئی مسئلہ یاد آ گیا تو اس نے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ حضرت فلاں عمل میں اس طرح کرنا سنت کے زیادہ قریب ہے یا دوسری طرح کرنا سنت کے زیادہ قریب ہے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تم نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کس طرح کرتے ہوئے دیکھا اس نے جواب دیا کہ فلاں طرح، فرمایا وہی طریقہ سنت کے زیادہ قریب ہے۔

غور کیجئے! حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے کہ اس طرح کرنا اقرب الی السنۃ ہے بلکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عمل کا حوالہ دیا کہ چونکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل اس طرح ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اقرب الی السنۃ یہی ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ ہمارے اکابر سنت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ ان کے عمل کو دیکھ کر لوگ پتہ لگا لیتے تھے کہ سنت کا طریقہ کونسا ہے؟

سنت کبھی مناظروں سے زندہ نہیں ہوتی:

سنت کا اسقدر اہتمام یہ بزرگانِ دیو بند کا خاصہ تھا۔ اب یہ سب باتیں تو اٹھتی چلی جارہی ہیں۔ صرف دیو بندیت کا نام باقی رہ گیا ہے اور یوں سمجھ لیا گیا ہے کہ دیو بندیت کا کام ہے کہ بریلویوں سے لڑو، ان سے فرصت ملے تو غیر مقلدوں سے لڑائی کرو۔ ان دونوں سے فرصت ملے تو شیعوں سے لڑائی کرلو۔ کسی نہ کسی کو سینگ مارتے ہی رہو۔ یادرکھئے سنت کبھی مناظروں، تقریروں اور دلائل سے زندہ نہیں ہوتی بلکہ سنت زندہ ہوتی ہے سنت پر عمل کرنے سے۔ آج بریلویوں اور ہمارے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں رہا۔ ہم نے مسلک دیو بند کو تقریباً پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اور مدرسوں کے اندر بھی اب بڑی مشکل یہ ہوگئی ہے کہ طلبہ کا ذہن یہ بننے لگا کہ اس سے لڑو، اُس سے لڑو۔ یہ فکر نہیں ہوتی کہ شیطان سے لڑو، اپنے نفس سے لڑو حالانکہ ہمارے سب سے بڑے دشمن تو یہی دو ہیں۔ ان پر فتح حاصل کرنا اصل ہے۔ جب تم ان دو دشمنوں پر فتح پالو گے تو اللہ کے فضل وکرم سے دنیا کا کوئی دشمن تمہارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکے گا۔ صحابہ کرام کے پاس سب سے بڑا ہتھیار یہی تھا کہ انہوں نے شیطان اور نفس پر فتح حاصل کرلی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا کو فتح کرتے چلے گئے۔ صحابہ کی زندگی سراپا سنت کا نمونہ تھی اور سنت وہ چیز ہے کہ معیارِ حق ہے، کلید کامیابی ہے اور فتح ونصرت کی ضامن ہے۔ آج ہم یہ شور مچاتے ہیں کہ ہمارے خلاف مغرب کا پروپیگنڈا بہت ہے۔ ہمارے خلاف فلاں فرقوں کا پروپیگنڈا بہت تھا۔ یہ پروپیگنڈا تو پہلے بھی تھا۔ دشمن تو پہلے بھی تھے لیکن ہمارے بزرگ نفس وشیطان پر فتح حاصل کرکے اور اپنے آپ کو سنت کا خوگر بنا کر ان پر فتح حاصل

کر لیتے تھے۔

اسباق میں پوری توانائیاں لگادو:

میرے عزیز طالب علمو! اب آپ کو ان بزرگوں کی جگہ سنبھالنی ہے۔ ابھی سے اپنے آپ کو سنت کا خوگر بنانے اور نفس وشیطان پر فتح حاصل کرنے کی کوشش کیجئے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اسباق میں اپنی ساری توانائیاں لگادو۔ اسباق پر توانائیاں لگانے کا حاصل تین چیزیں ہیں۔ جسے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

۱۔ سبق سے پہلے مطالعہ

۲۔ سبق میں پابندی سے حاضری، اس میں یہ کوشش کہ استاد سے پہلے درسگاہ میں پہنچے۔ بعض طلبہ باہر بیٹھے ہوئے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ جب استاد آئے گا تو ہم بھی چلے جائیں گے، ایسے طالب علم میں اور وہ طالب علم جو پہلے سے درسگاہ میں استاد کے انتظار میں بیٹھا ہوتا ہے بڑا فرق ہوتا ہے۔ جو طالب علم محتاج بن کر پہلے سے استاد کا منتظر ہو کر بیٹھتا ہے۔ اللہ رب العالمین اس کو اپنے استاد سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔

درس کی پابندی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ طالب علم استاد کی طرف پوری طرح متوجہ رہے۔ بعض طلبہ یہ سوچتے ہیں کہ اب جو مسئلہ شروع ہو رہا ہے۔ یہ مسئلہ ہم نے فلاں کتاب میں پڑھا تھا، اس لئے اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس مسئلے کے بیان کے دوران وہ ادھر ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی خسارے کی بات ہے۔ ہر استاد کا انداز الگ ہوتا ہے۔ پہلے ایک استاد کے ذریعے سے معلوم ہوا تھا۔ اب دوسرے استاد سے بھی معلوم ہو گیا تو اس کی برکت کچھ اور ہوگی۔

۳۔ اور تیسرا کام ہے سبق کے بعد تکرار۔

مطالعہ کا آسان ترین طریقہ:

مطالعے کے بارے میں خوب سمجھ لیجئے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کتاب کی شرح اور حاشیہ کا پورا پورا مطالعہ کر کے آئیں۔ اگر اس طرح مطالعہ کرو گے تو پھر ایک دو کتابوں ہی کا مطالعہ ہو سکے گا حالانکہ آپ کو تو چھ کتابیں پڑھنی ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے مطالعہ کا بہت آسان طریقہ بتلایا ہے۔ وہ یہ کہ کتاب کی عبارت پڑھو۔ اس پر متوسط درجے کا غور وفکر کرو کہ کیا سمجھ میں آیا اور کیا سمجھ میں نہیں آیا۔ کسی لفظ کا ترجمہ سمجھ میں نہیں آیا۔ کسی مرکب کی ترکیب سمجھ نہیں آئی، کسی باب کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا اور کسی مسئلے کی دلیل سمجھ میں نہیں آئی، اور کونسی چیزیں سمجھ میں آ گئیں۔ تو یہ اب دو باتیں سامنے آ گئیں کہ کچھ چیزیں معلوم ہیں اور کچھ مجہول ہیں۔ ان مجہولات کو معلومات سے ممتاز کر دو تو مطالعہ کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ جب آپ سبق میں پہنچیں تو آپ کے ذہن میں یہ موجود ہو کہ مجھے کونسی چیزیں معلوم نہیں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجہولات کو ممتاز کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مجہولات کے بارے میں صحیح علم حاصل کرنے کی پیاس اور تشنگی پیدا ہوگئی اور علم کے لئے تشنگی پیدا ہو جانا ہی کلید کامیابی ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے:

آب کم جو، تشنگی آور بدست

تا بجوشد آب از بالا وبست

ترجمہ: پانی کم ڈھونڈو، تشنگی حاصل کرو تاکہ پانی اوپر سے بھی آئے اور نیچے سے بھی آئے۔

یعنی جب پیاس پیدا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور پھر وہ اوپر سے بھی پانی برسائے گا اور نیچے سے بھی برسائے گا۔ تو جب آپ علم کی پیاس لے کر درسگاہ میں پہنچیں گے تو اللہ رب العالمین آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔

جو استاد سے سوالات نہ کرے، وہ طالب علم کہلانے کا مستحق نہیں:

جو مجہولات لے کر آپ درسگاہ میں پہنچے، اگر استاد نے وہ باتیں بتلا دیں تو اللہ کا شکر ادا کرو اور اگر استاد نے نہیں بتائیں یا سمجھ میں نہیں آئیں تو استاد سے سوال کرو۔ خوب سمجھ لو! جو طالب علم استاد سے سوال نہ کرے وہ طالب علم کہلانے کا مستحق نہیں۔ ابھی میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''دل کی دنیا'' میں دیکھ رہا تھا۔ اس میں بزرگوں کا ایک مقولہ لکھا ہوا دیکھا جو بڑا مزیدار ہے۔ فرمایا کہ

مریدے کہ چون وچراں کند وشاگردے کہ

چون وچرا نہ کند در چراگاہ باید فرستاد

ترجمہ: جو مرید چون وچراں کرے اور جو شاگرد چوں وچراں نہ کرے، انہیں چراگاہ میں بھیجنا چاہیے (کیونکہ وہ مرید نہیں اور یہ شاگرد نہیں بلکہ دونوں گدھے ہیں، انہیں گھاس چرنے کے لئے چراگاہ بھیج دو)

مرید کا کام یہ ہے کہ وہ شیخ کی بات کو بلا چوں وچراں تسلیم کرے۔ اس کی وجہ نہ پوچھے لیکن طالب علم کا کام یہ ہے کہ وہ چوں وچراں کرے، کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو وہ پوچھے۔ اگر استاد کوئی دلیل بیان کرے اور اس پر دل مطمئن نہ ہوتا ہو تو چون وچراں کرے کہ حضرت! اس پر تو یہ اعتراض پڑتا ہے۔ اگر استاد کے جواب پر تشفی نہ ہو تو پھر دوبارہ سوال کرے۔ اگر درسگاہ میں بار بار سوال کرنے کا وقت نہ ہو یا اس سے استاد کو مشقت ہو رہی ہو تو سبق کے بعد پوچھ لے۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ استاد کو یہ معلوم

ہوگا کہ آپ طالب علم ہیں اور علم کی سچی طلب میں لگے ہوئے ہیں۔

آخر میں پھر یہ عرض کرتا ہوں کہ میرے عزیزو! خوب محنت کرو، اخلاص، للھیت، تقویٰ اور سنت کی پابندی کا اہتمام کرو اور بزرگوں کی جو جگہیں خالی ہوتی جارہی ہیں، انہیں پُر کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلو۔

اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰه رب العالمینo

صحیح مسلم کی نادر المثال شرح

خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دار العلوم، کراچی
تاریخ	۸ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۱ اگست ۱۹۹۴ء
	بر موقع تقریب اظہار شکر بر تکمیل "تکملہ فتح الملہم"
ترتیب و عنوانات	اعجاز احمد صمدانی

﴿صحیح مسلم کی نادر المثال شرح﴾

خطبہ مسنونہ:

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہِ الکریم

امابعد!

محترم اساتذہ کرام، حضرات علماء عظام، معزز حاضرین اور عزیز طلبہ

ایسی خوشیاں صدیوں میں نصیب ہوتی ہیں:

اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں جس مسرت کے اظہارِ شکر کے لئے آج کی یہ مجلس منعقد ہو رہی ہے۔ اس کے بارے میں میرا یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ اس نوعیت کی خوشیاں صدیوں میں جا کر نصیب ہوتی ہیں۔ پچھلے ایک ہزار سال میں ایسے واقعات بہت خال خال پیش آئے ہیں کہ ایسا ٹھوس، علمی اور محققانہ کام سرانجام دیا گیا ہو جیسا یہ کام اللہ تعالیٰ نے برادر عزیز، ہماری آنکھوں کے سرور اور امیدوں کے مرکز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ سے لیا ہے۔ یہ مایہ ناز تالیف اس صدی کا وہ کارنامہ ہے کہ اس کی عظمت کا اندازہ بہت عرصہ بعد ہی لوگ کر سکیں گے کیونکہ جس موضوع پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، یہ

کٹھن ترین اور مشکل ترین موضوع ہے اور اس سے استفادہ کرنے والے حضرات کا طبقہ بھی بہت محدود ہے جس کی بنیادی طور پر دو وجوہ ہیں۔

۱۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔

۲۔ عربی زبان میں بھی علم حدیث کے فن پر ہے جو اپنی نوعیت کا ایک مشکل اور کٹھن فن ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' لکھ کر قرض چکا دیا:

آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ پر یوں تو کتنی ہی کتابیں لکھی گئیں لیکن ان میں سے سب سے زیادہ صحیح اور معتبر دو ہی کتابیں شمار کی گئی ہیں۔

۱۔ صحیح البخاری جسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تالیف فرمایا۔

۲۔ اور صحیح مسلم جسے امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا۔

صحیح بخاری کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی، وہ کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ پوری امت نے متفقہ طور پر کتاب اللہ کے بعد اسے صحیح ترین کتاب قرار دیا۔ اگرچہ اس کتاب کی بہت سی شروحات لکھی گئیں لیکن اس عظیم الشان کتاب کو جس شرح کی ضرورت تھی، ایک عرصہ تک وہ وجود میں نہ آئی۔ یہاں تک کہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہنا پڑا کہ کوئی شرح اس کتاب کا حق ادا نہیں کر رہی۔

بالآخر صحیح بخاری کی تالیف کے تقریباً چھ سو سال بعد عظمت کا یہ تاج اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر رکھا اور آپ نے صحیح بخاری کی مایہ ناز شرح ''فتح الباری'' تالیف کی۔ الحمد للہ، ہمارے سارے کتب خانے اس سے آراستہ ہیں۔ آج دنیا کا کوئی محقق، کوئی فقیہ اس کتاب سے بے نیاز نہیں۔ کسی بھی مکتبہ فکر اور مسلک سے تعلق رکھنے والا عالم دین ہو، وہ اس کتاب سے مستغنی نہیں۔

علماء امت نے جس طرح صحیح بخاری کے بارے میں متفقہ طور پر فرمایا تھا کہ

کتب حدیث میں اس کی نظیر نہیں ہے، اسی طرح فتح الباری کے بارے میں بھی متفقہ طور پر فرمایا کہ اس شرح کی مثال پوری دنیا میں موجود نہیں۔ یہ نادر المثال شرح ہے۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے شایانِ شان کوئی شرح نہ ہونے کی جو شکایت کی تھی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امت کی طرف سے یہ قرض چکا دیا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اگرچہ دریا بکوزہ ہے لیکن:

الحمدللہ، صحیح مسلم بھی حدیث کی بڑی مقبول کتاب ہے۔ صحیح بخاری کے بعد صحت حدیث کے اعتبار سے صحیح مسلم کا دوسرا درجہ اور حسنِ ترتیب اور انداز بیان کے اعتبار سے تو اس کو صحیح بخاری پر بھی فوقیت حاصل ہے۔

اس کی بھی بہت سی شروح لکھی گئیں۔ ہمارے زمانے کی مشہور ترین اور متداول شرح علامہ نوویؒ کی ہے۔ بلاشبہ یہ شرح ''دریا بکوزہ'' کی عمدہ مثال ہے۔ لغات، اسماء الرجال، سند اور متن حدیث کی تحقیق جس اختصار و جامعیت کے ساتھ انہوں نے کی ہے، وہ بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود صحیح بخاری کی شرح فتح الباری اور مسلم شریف کی علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح ''المنہاج'' میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح اگرچہ بہت محققانہ تھی لیکن انتہائی مختصر ہونے کی وجہ سے مسلم شریف کے بہت سے مباحث ایسے تھے جو اپنے لئے کسی شارح کو تلاش کررہے تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''فتح الملھم'' لکھنا شروع کی لیکن وہ مکمل نہ ہوسکی:

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ کے مایہ ناز شاگرد، علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر اور ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی تقریر و تحریر کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی تمنا تھی کہ جس طرح بخاری شریف کی ایک جامع اور مفصل شرح حافظ ابن حجرؒ نے تالیف فرمائی، اس جیسی مسلم شریف کی شرح کا کام اللہ تعالیٰ ان سے کرا دے۔ چنانچہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں آپ نے عظیم الشان شرح ''فتح الملہم'' لکھنے کا آغاز کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر دنیائے علم کے آفتاب و ماہتاب اور درخشندہ ستاروں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر علم و فن کے بڑے بڑے علماء اور نابغہ روز محققین موجود تھے۔ ان کی موجودگی میں یہ شرح لکھی گئی تین جلدوں میں یہ شرح ''کتاب النکاح'' تک پہنچی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب مسلم کا ابھی تک نصف حصہ بھی مکمل نہ ہوا۔ اس کتاب کے آغاز سے ان تینوں جلدوں کے شائع کرانے تک علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پچیس سال لگ گئے۔

اس کے بعد تحریک پاکستان پورے برصغیر میں وقت کا سب سے بڑا تقاضا بن کر اٹھی۔ حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ایماء پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تحریک پاکستان کی عملی جدوجہد کے لئے میدان سیاست میں آنا پڑا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے اسی خیال کے پیش نظر استعفیٰ دے دیا تاکہ یکسوئی کے ساتھ اس تحریک کو اسلامی خطوط پر لانے کی بھرپور جدوجہد کریں۔ اس ہمہ وقتی جدوجہد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے نادر المثال مملکت خداداد پاکستان عطا فرمائی۔ جس پر جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے۔

لیکن آج ہمارا سر ندامت کی وجہ سے جھکا ہوا ہے کہ ہم نے اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔ یہ عظیم ملک آج جس بیچارگی کا شکار ہے۔ وہ ہماری شامت اعمال اور

ناقدری کا نتیجہ ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب یہ عظیم ترین اسلامی سلطنت دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئی تو ہمارے بزرگوں کے پیش نظر سب سے پہلا اور بنیادی کام یہ تھا کہ اس مملکت کو قرآن وسنت کی تنفیذ، اسلام کے عادلانہ نظام اور معاشیات کے میدان میں اسلام کے فطری اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہاں کے نظام حکومت کو اسلامی خطوط پر استوار کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے رات دن ایک کردیئے۔ چنانچہ یہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کیا۔

میرے پاس اس مسودے کا ایک کچا ورق موجود ہے۔ جس پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلم کی بھی کچھ تحریر ہے۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کچھ جملے بھی موجود ہیں۔ اس کو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رفقاء کار کے مشورے سے مرتب کیا تھا۔

پاکستان کے اس وقت کے وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم نے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ مسودہ لیا اور کہا کہ آپ کو یہ مسودہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ میں خود بحیثیت پارلیمانی لیڈر اور وزیر اعظم اس قرارداد مقاصد کو پیش کرونگا تاکہ ہم پوری قوت کے ساتھ ایوان سے اسے منظور کرا سکیں۔ چنانچہ ہم اسمبلی کے اجلاس میں اس وقت شریک تھے جب یہ تاریخی قرارداد اسمبلی میں پیش کی گئی۔ ایوان نے بڑی خوشیوں کے ساتھ اسے منظور کیا۔ قائدِ ملت لیاقت علی خان اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریریں ہوئیں جو پاکستان کی تاریخ کی عظیم تقریروں میں سے دو تقریریں ہیں۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی ان بے پناہ مصروفیات کی بناء پر "فتح الملہم" کا کام آگے نہ بڑھا سکے۔ چنانچہ یہ عظیم شرح جو ابھی آدھی سے زیادہ باقی تھی، اس کا کام رک گیا۔ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بڑی تمنا تھی کہ وہ اس کی تکمیل فرما سکیں لیکن ۱۹۴۹ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

کئی اکابر "فتح الملھم" کا تکملہ لکھنے کے خواہش مند تھے:

آپ کے وصال کے بعد آپ کے شاگردوں اور آپ سے تعلق رکھنے والے علماء کی شدید خواہش تھی کہ فتح الملھم کی تکمیل ان کے ہاتھوں انجام پا جائے۔ میں نے اپنے والد ماجد مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اعلاء السنن کے مصنف علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ وہ اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ کاش! اس عظیم کتاب کا تکملہ لکھنے کی سعادت ہمارے حصے میں آجائے لیکن ان کی دیگر علمی مشغولیات بہت زیادہ تھیں۔ جس کی وجہ سے یہ کام ان کے ہاتھوں پائے انجام تک نہ پہنچ سکا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور انہی بزرگوں کی برکات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد کو اس سعادت کبریٰ سے نوازا۔

میری عقل حیران ہے:

برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سلمہ جن کے بارے میں جی چاہتا ہے کہ جس طرح امت نے اصل لقب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیا تھا۔ ان کے ساتھ بھی استعمال کروں، انہیں والدِ ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرف متوجہ فرمایا، اور اس دوسرے شیخ الاسلام نے فتح الملھم کی تکمیل اس انداز میں کی کہ میری عقل حیران

ہے۔ میرے خیال میں یہ کام کوہ ہمالیہ کی چوٹی سر کرنے سے بھی زیادہ مشکل تھا خاص طور پر اس پر آشوب دور میں جہاں یکسوئی عنقاء ہو جبکہ ایسے کام کیلئے کامل یکسوئی ناگزیر تھی۔

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال سے چند مہینے پہلے یہ کام شروع ہوا تھا۔ چند ماہ بعد ہماری زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہمارے سر سے اٹھ گیا، دارالعلوم یتیم ہو چکا تھا۔ اس کی ذمہ داریاں ہمارے بزرگوں نے ہم دونوں بھائیوں پر ڈالی تھیں۔ دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریاں، اسباق کی مشغولیت اور فتاوٰی کی جان گسل مشقت اپنی جگہ کچھ نہ کم تھی کہ اس کے ساتھ ان کی اور بھی کئی مصروفیات پیدا ہوگئیں۔

اسی زمانے میں ملک میں انقلاب آیا۔ ضیاء الحق صاحب نے مارشل لاء نافذ کیا۔ انہوں نے نفاذِ اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ اس میں انہیں محقق علماء کرام کے تعاون کی شدید ضرورت تھی۔ یہ ادائے حق میں کوتاہی ہوتی اگر ان کی اس دعوت پر لبیک نہ کہا جاتا۔ چنانچہ اپنے مرشد ڈاکٹر عبدالحیٔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم وایماء پر برادرِ عزیز نے اس کے لئے بھی دن رات کوششیں کیں۔ اب زیادہ وقت اسلام آباد میں گذرنے لگا، وہاں سے آکر یہاں سبق بھی پڑھاتے اور کراچی میں گذرنے والے ہر دن میں فتح الملہم کے تکملہ کے لئے مقررہ جگہ میں مقررہ وقت پر پہنچ جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس میں ناغہ نہیں آنے دیا۔

کچھ عرصہ بعد آپ وفاقی شرعی عدالت کے جج بن گئے۔ جس سے آپ کی مصروفیات میں اور اضافہ ہوگیا۔ اس کے بعد سپریم کورٹ شریعت اپیلیٹ بینچ کے رکن مقرر ہوئے اور ابھی تک اس عہدے پر ہیں۔[1] اس عرصے میں انہوں نے مایہ ناز اور انقلابی قسم کے فیصلے کئے۔ شرعی اور فقہی تحقیقات کی بنیاد پر ایسے فیصلے فرمائے کہ پاکستان کی تاریخ میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

آج اسمبلی کے ذریعے قانون تبدیل کرنا بہت مشکل ہے۔ جب کوئی قانون

تبدیلی کے لئے اسمبلی میں پیش ہوتا ہے تو اپوزیشن اور حکومت کے درمیان رسہ کشی شروع ہوجاتی ہے۔ خاص طور پر اسلامی قانون اسمبلی سے پاس کرانا تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن وفاقی شرعی عدالت کو ضیاء الحق مرحوم نے یہ اختیار دیا تھا کہ جن قوانین کو وہ شریعت کے خلاف پائے ان پر خط تنقید پھیر دے بشرطیکہ کوئی فرد یہ مسئلہ عدالت میں پیش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مبارک ہاتھوں سے درجنوں ایسے فیصلے صادر کرائے جن کی وجہ سے خلافِ شریعت قوانین کالعدم قرار دیئے گئے اور وہ آج تک کالعدم ہیں اور ان کی جگہ پر ان کے لکھے ہوئے فیصلے قانونی پوزیشن حاصل کر چکے ہیں۔

اتنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ان کی ایک اور اہم مصروفیت یہ ہے کہ آپ مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ) کے نائب صدر ہیں۔ یہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جو او۔ آئی۔ سی (O.I.C) کے تحت کام کر رہا ہے۔ اس ادارہ میں انتہائی مشکل موضوعات تحقیق کے لئے پیش ہوتے ہیں۔ اس کے اندر بھی انہوں نے معاشیات، اقتصادیات، عالمی تجارت، درآمدات برآمدات جیسے موضوعات پر تحقیقی مقالے عربی زبان میں پیش کئے جن کا اردو اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا۔

اس کے علاوہ دنیا بھر میں جو مختلف بینک اسلامی بنیادوں پر قائم ہوئے، انہوں نے بھی علمی اور فنی استفادے کیلئے ان کا بہت وقت لیا۔ اور ان کی وجہ سے انہیں بار بار غیر ملک سفروں کی نوبت پیش آئی۔ ان اسفار کا لب لباب آپ ''جہانِ دیدہ'' میں پڑھ چکے ہیں۔[1] یہ تفریحی سفر نہیں تھے بلکہ علمی اور تحقیقی کاموں کے لئے سفر تھے۔ ان سفروں میں انہوں نے جو کچھ دیکھا، عوام کی معلومات کے لئے اُسے ''جہانِ دیدہ'' میں لکھ دیا۔

ان تمام مشغولیتوں کے علاوہ ماہنامہ ''البلاغ'' (اردو، انگریزی) کی ادارت کی ذمہ داری کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر تھا جسے انہوں نے بطریق احسن نبھایا۔ اس پر ہجوم زندگی کے اندر اللہ تعالیٰ نے ان سے تکملہ فتح الملہم کا عظیم تحقیقاتی کام لیا ہے جو چھ

جلدوں میں تیار ہوا ہے۔ یہ کام ابھی پچھلے ہفتے مکمل ہوا اور یہ سامنے اُسی کے رجسٹر رکھے ہوئے ہیں۔ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے حصہ کی شرح میں تقریباً پچیس سال لگے تھے اور اس تکملہ میں تقریباً پونے انیس سال خرچ ہوئے ہیں۔ روزانہ کام کرنے کا اوسط گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نہ تھا۔ اس میں ذکر کردہ مشغولیتوں کی وجہ سے بہت زیادہ ناغے بھی ہوتے رہے۔

میں بے تحاشا رو پڑا:

جس دن انہوں نے یہ کام مکمل کیا، ظہر سے کچھ پہلے کا وقت تھا، یہ خوشی خوشی سارے مسودے اٹھا کر میرے پاس تشریف لائے۔ جب انہوں نے یہ سارے رجسٹر میرے سامنے رکھے تو میں بے تحاشا رو پڑا کہ آج دنیا میں اس کی قدر کرنے والے شاذ و نادر ہی رہ گئے۔ آج ان اکابر کا سایہ بھی ہمارے سروں سے اٹھ چکا ہے جن کی تمنائیں آج بار آور ہوئیں۔

لیکن یہ بھی مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے اساتذہ کرام میں سے مولانا قاری رعایت اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب، حضرت مولانا سحبان محمود صاحب، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کا سایہ ہمارے سروں پر موجود ہے۔[1] ان کے علاوہ عالم اسلام کی ممتاز شخصیات بھی یہاں موجود ہیں۔ جن کے بارے میں دل چاہتا ہے کہ ان کی لکھی ہوئی تقریظات پر کچھ تبصرہ کروں۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریظ:

اس وقت ہمارے سامنے شام کے جلیل القدر عالم دین شیخ عبدالفتاح ابوغدہ

موجود ہیں۔ جو عرصہ دراز سے ریاض یونیورسٹی میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ بڑے جلیل القدر عالم دین ہیں۔ علماء برصغیر کے عاشق ہیں۔ والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا استاد کہا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کتاب پر مقدمہ بھی لکھا ہے اور تقریظ بھی لکھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے جس انداز میں اس کی تعریف کی ہے، یہ انہی کا مقام ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

''ہمارے شیخ، ہمارے استاذ علامہ مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمت دلائی اپنے عظیم بیٹے، علامہ، محدث نجیب، فقیہ، ادیب، اریب مولانا محمد تقی عثمانی کو کہ وہ مکمل کریں فتح الملھم کی شرح کو۔ انہوں نے نے تکملہ وہیں سے شروع کیا جہاں سے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چھوڑا تھا اور تحقیق و تفصیل اور محنت وجستجو میں اُسی طریقے پر لکھا جس طرح علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے لکھا تھا اور ان کی مکمل پیروی کی۔''

ڈاکٹر یوسف قرضاوی حفظہ اللہ کی تقریظ:

ان کے علاوہ عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر یوسف قرضاوی بھی اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ آپ اس کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کی حس، ایک فقیہ کی استعداد، ایک استاذ کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور عصر حاضر پر نگاہ رکھنے والے عالم کی بصیرت دیکھی۔ میں نے صحیح مسلم کی بہت سی شرحیں دیکھی ہیں۔ قدیم بھی، جدید بھی لیکن ان شروحات میں

سے یہ شرح سب سے زیادہ قابلِ توجہ اور قابل استفادہ ہے۔''

میں نے اس شرح سے استفادہ کیا ہے:

اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں عرصہ دراز سے مسلم شریف پڑھا رہا ہوں۔ جہاں تک علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح لکھی ہوئی ہے وہاں تک آسانی سے کام چل جاتا تھا۔ جب آگے پہنچا تو مجھے یاد ہے کہ رات عشاء کے بعد درس ہوتا تھا اور میں اس کی تیاری دوپہر ۱۲ بجے سے شروع کر دیتا تھا۔ صرف کھانے اور نماز کا وقفہ ہوتا تھا۔ درجنوں کتابیں دیکھ کر مسائل کی تحقیق کرنا پڑتی تھی۔ خصوصاً کتاب البیوع میں جدید اقتصادیات ومعاشیات ،طب و سیاست، جہاد وسیرت اور حدود وقصاص کے جدید مسائل میں محنت شاقہ کرنی پڑتی تھی۔ مطالعہ کرنے کے بعد سب یادداشتیں جمع کر کے طلبہ کو پڑھاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے ایک زبردست خلا کو پر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس حصے سے استفادہ کیا ہے اور ہر سال کرتا ہوں۔ جتنا تالیف ہوجاتا تھا اس سے استفادہ کرتا رہا۔ ایک ایک سطر پر ان کے لئے دعائیں نکلتی رہیں۔

اِس شرح کی ایک نادر خصوصیت:

سلف صالحین کی احتیاط، مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر حقیقت حدیث کو واضح کرنے کا جو طریقہ ہم نے بزرگوں کے اندر دیکھا تھا، اس کا کامل نمونہ اس میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک خصوصیت اس شرح کی ایسی ہے جو کسی بھی کتاب حدیث کی شرح میں موجود نہیں۔ میں پوری بصیرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں۔ اور وہ خصوصیت یہ

ہے کہ جدید دور کے سیاسی میدان، تجارتی ومعاشیاتی میدان، طبی میدان میں اور حدود و قصاص کے قوانین کے میدان میں جن نئے مسائل اور الجھے ہوئے سوالات نے جنم لیا ہے، ان پر علماء نے اگرچہ عربی اور اردو میں کتابیں لکھی ہیں لیکن کسی حدیث کی شرح کے ضمن میں، حدیث سے استنباط کرتے ہوئے ان مسائل کو شروح حدیث میں بیان نہیں کیا گیا۔ یہ نمایاں اور نادر المثال خصوصیت صرف تکملہ فتح الملھم کے حصہ میں آئی ہے۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم کتاب کے مؤلف کے علم وعمر میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کو اس سے بھی زیادہ اور بڑے بڑے علمی تحقیقی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین، ثم آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللہ رب العالمینo

گلگت کے پہاڑوں میں
یادگار آپ بیتی

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مرتب،
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۲۸۳

امریکہ میں مسلمان کس طرح رہیں

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون ۷۳۵۲۴۸۳